خطباتِ اقبال میں قرآنی حوالے اور مباحث

مسعود احمد خان

Marfat.com

DATA ENTERED

خطباتِ اقبال میں

قرآنی حوالے اور مباحث

مسعود احمد خان

اظہار سنز

Marfat.com

142561
2

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۵ء

نام کتاب : خطباتِ اقبال میں قرآنی حوالے اور مباحث

مصنف : مسعود احمد خان

ناشر : سیّد محمد علی انجم رضوی

اظہار سنز، ۱۹۔ اُردو بازار، لاہور

فون : ۳۷۲۳۰۱۵-۰۴۲

سیل نمبر : ۴۱۰۶۳۵۷-۰۳۰۰

ای میل: izharsons_2004@hotmail.com

طابع : سیّد اظہار الحسن رضوی

مطبع : اظہار سنز پرنٹرز، لاہور

قیمت : -/۴۵۰ روپے

Marfat.com

انتساب

اساتذہ کرام

حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی صاحب

کے نام

◆◆

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

۱۔	خطباتِ اقبال پس منظر و پیش منظر	۹
۲۔	خطباتِ اقبال اور تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ	۱۴
۳۔	تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ میں قرانی حوالے	۱۷
۴۔	خطباتِ اقبال میں تفسیرِ قرآن	۲۳
۵۔	خطبہ اول : علم اور مذہبی مشاہدات	۲۶
۶۔	خطبہ دوم : مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار	۷۹
۷۔	خطبہ سوم : ذات الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا	۹۹
۸۔	خطبہ چہارم : خودی جبر و قدر، حیات بعد الموت	۱۴۳
۹۔	خطبہ پنجم : اسلامی ثقافت کی روح	۱۸۲

Marfat.com

١٠۔ خطبہ ششم : ٢٠٦

الاجتہاد فی الاسلام

١١۔ خطبہ ہفتم : ٢١٥

کیا مذہب کا امکان ہے؟

◆◆◆

Marfat.com

جسارت

علامہ اقبال پر بالعموم اور اس (خطبات) موضوع پر لکھنے کے لیے بالخصوص کئی لوازمات کی ضرورت ہے سب سے پہلی ضرورت تو اہلیت ہے، ان خطبات کو سمجھنے کے لیے جو کچھ درکار ہے اس کا تذکرہ سیّد نذیر نیازی صاحب اور ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے کیا ہے جو یہاں شامل ہے، سمجھنے کے بعد لکھنے کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ اہل علم کے کرنے کا کام ہے یا پھر یونی ورسٹیوں میں تحقیقی کام کرنے والوں کا جن کے پاس لائبریریوں کی سہولت کے ساتھ مناسب راہ نمائی کے لیے اہلِ علم موجود ہوتے ہیں۔ کسی راہ نمائی یا مشاورت کے بغیر انسان اپنے محدود علم کے غرے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تحقیق وتنقید اور تحریر کے لیے مناسب ماحول کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے اپنا دامن ان تمام لوازمات سے خالی ہے۔ ایسے میں اپنی اس کوشش بل کہ حرکت کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ یہ کوشش کیا جواز رکھتی ہے؟ اس کا فائدہ؟ یا مقصد؟ سب سوالیہ نشان ہی رکھتے ہیں۔ فقط یہ بات ہے کہ ممکن ہے اہل علم کو اپنے کام اور تحقیق میں اس کوشش سے کوئی آسانی حاصل ہو جائے۔ اگر کسی ایک کو بھی یہ کوشش معمولی سی معاونت مہیا کر دے تو پھر اس کا جواز پیدا ہو جاتا ہے، یا حضرت علامہ کی ہمہ پہلو شخصیت کا کوئی ایک پہلو نمایاں ہو جائے تو بھی شاید اس کوشش کا کوئی جواز مل سکے۔ ورنہ یہ ایک جاہل کی جسارت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے لیے اہلِ علم اور بالخصوص ماہرینِ اقبالیات سے معذرت۔

ہمارے ہاں سنجیدہ علمی ماحول کا شدید فقدان ہے۔ حکومتی تعلیمی ادارے جہاں بہ کثرت سہولیات میسر ہوتی ہیں اساتذہ اور طلبہ کے اندر تعلیم و تعلم کا ماحول ہونا ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے یہ ادارے سیاست کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ اربابِ حکومت کہتے کچھ ہیں اور ان کا عمل اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اسی لیے تعلیمی اداروں میں اہلیت کا شدید فقدان نظر آتا ہے، ان اداروں میں ایک مقدس پیشے سے منسلک لوگ اپنے پیشے کے منصب اور فرائض سے ناآشنا ہیں۔

Marfat.com

اسی لیے ان اداروں کا ماحول نہایت تکلیف دہ ہے، علمی کام تو درکنار سرے سے تعلیمی سرگرمی ہی دشوار ہو رہی ہے۔ ایسے میں کوئی کیا اُمید رکھے کہ علم کی کوئی بات کوئی وزن رکھے گی۔ سو ایسے ماحول میں ماتم کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف معاشرہ بھی ایک بے لگام ہنگام اور افراتفری سے دوچار ہے، متانت، سنجیدگی، ٹھہراو، اَدب آداب، تہذیب و شائستگی کا جنازہ اُٹھ رہا ہے۔ اس بگاڑ کے ماحول میں پنپنے کی کوئی بات جگہ ہی نہیں پاتی۔

اس سب کے باوجود ہماری قوم اور معاشرے سے مایوسی ہرگز روا نہیں آج بھی اہلِ علم و تحقیق خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہیں، کئی ایک ادارے معیاری تعلیم اور تحقیق میں مصروف ہیں۔ نئی نسل میں ماحول کی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود مثبت خیالات موجود ہیں، بہتر تعلیمی اداروں سے جہاں سیاست کی آلودگی نہ ہوئی نسل کے نونہالان کے جذبات اور کاوشوں کو دیکھ کر اُمید بندھتی ہے۔

اپنے اس کام میں جن بزرگوں اور احباب کی حوصلہ افزائی اور معاونت حاصل رہی اُن کا شکریہ واجب ہے۔ اپنے دو محترم اساتذۂ کرام کا ذکر ہو چکا۔ اس کے بعد برادرم نعمان احمد صدیقی ایسوسی ایٹ پروفیسر کی ہمدردانہ سرپرستی اور معاونت کا شکریہ، طباعت کے سلسلے میں اُن کا تعاون حاصل رہا۔ محترم محمد علی انجم صاحب جن کے ادارے نے کتاب کی طباعت کی اُن کا بے حد شکریہ، اُنہوں نے خود پروف ریڈنگ کی، آیات کا صرف ترجمہ دیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے خود اصل متن کو شامل کرنے کا اہتمام کیا۔ تحریر کے دوران میں پوسٹ گریجویٹ کالج پلندری کے لائبریرین سردار محمد لطیف خان اور جناب سردار پرویز (عبداللہ صاحب) کے تعاون کا بھی شکریہ۔ کتاب کی تحریر کے دوران اپنے کچھ رفقا اور بالخصوص کچھ شاگردوں کی دلچسپی اور حوصلہ افزائی کام کے لیے مہمیز لگاتی رہی اُن کا بھی بے حد شکریہ!

مسعود احمد خان
پلندری، سدھنوتی، آزاد کشمیر
۰۳۴۶-۵۱۵۳۲۰۷

◆◆◆

Marfat.com

خطباتِ اقبالؔ، پس منظر و پیش منظر

جب عالمِ اسلام اور اسلامی تہذیب اپنے شانِ دار عروج کے بعد جمود کا شکار ہو کر زوال پذیر تھی تو یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کا آغاز ہو رہا تھا، اہلِ مغرب نے اسلامی تہذیب سے استفادہ کرتے ہوئے رومی اور یونانی علوم کو حیاتِ نو بخشی اور علمی تحقیق و ترقی کا آغاز کیا اور علمی ترقی کے ایک نئے دور کی ابتدا کی۔ سائنس کے میدان میں تحقیق و جستجو کی نئی بنیادیں اُٹھائیں اور جدید مادی ترقی کی ابتدا کی۔

اس علمی تحریک کے آغاز سے قبل کا یورپ جہالت، غلامی، جمود کے ساتھ ساتھ مذہبی و سیاسی استبداد کا شکار تھا، بالخصوص مذہبی رہ نماوں نے اجارہ داری اور غلبہ حاصل کر رکھا تھا۔ مذہب استیصال اور استبداد کا ذریعہ بن گیا تھا۔ عیسوی مذہب نے انسان کو فطرتاً بُرا قرار دے کر قابلِ نفرت بنا دیا تھا عیش پرستی عام ہو گئی تھی اور مذہب کے پردے میں ہوس پرستی عام تھی۔ عیسوی مذہب اپنے جمود کے باعث اس علمی ترقی کا ساتھ نہ دے سکا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں مذہب کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہونا شروع ہو گیا اور اہلِ مغرب نے مذہب کو اپنی اجتماعی، قومی، معاشرتی اور سیاسی زندگی سے الگ کر لیا اور اسے انسان کی محض نجی زندگی تک محدود کر لیا۔ نئے نئے فلسفیانہ نظریات، مادیت پر مبنی طرزِ فکر اور مذہبی راہ نماوں کے خلاف ردِ عمل کے نتیجے میں مذہب ہی کو زندگی سے نکال دیا گیا۔

مذہب کے خلاف اس ردِ عمل کے تدارک کے لیے عیسوی مذہب میں اصلاح کی کوششیں بھی کی گئیں، پروٹسٹنٹ فرقہ انھی کوششوں کی پیداوار ہے لیکن بہ حیثیتِ مجموعی عیسوی مذہب انسان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی علمی، فکری اور ذہنی نشو و نما کا ساتھ نہ دے سکا۔

Marfat.com

''نشاۃ الثانیہ میں ذہنی وفکری نشوونما جس وسعت وفراخی کے ساتھ ہو رہی تھی اس کی مناسبت سے راہ نمائی کے لیے ایک زندہ و بلند پایہ مذہب کی ضرورت تھی جو فکری میدان میں زندگی کے حقائق سے ہم آہنگ ہو اور جس کی تعلیمات، انفس، میں تبدیلی کے ساتھ فطرت اور کائنات کے سربستہ رازوں کی تحقیقات سے دل چسپی ظاہر کرتی ہوں۔ اسی قسم کا مذہب موقع کی مناسبت سے فکر وعمل کے لیے بلند نصب العین عطا کر سکتا تھا اور یہی نشاۃ الثانیہ کے وسیع اور متنوع اجزا کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی ہمت کر سکتا تھا لیکن مروجہ عیسوی مذہب کی زندگی گش پالیسی اور صلیبی جنگوں سے پیدا شدہ رقابت کی وجہ سے نئی دنیا کو یہ مذہب میسر نہ آ سکا۔'' (لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر۔ مولانا تقی امینی۔ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۷ء۔ ص ۵۵۔)

دوسری طرف عقلیت اور مادیت کے پے در پے حملوں اور ان کے غلبے کی وجہ سے بھی عیسوی مذہب پسپائی کا شکار ہو گیا، رہی سہی کسر ڈارون، فرائیڈ اور کارل مارکس جیسے فلسفیوں کے نظریات نے پوری کر دی اور انسان اپنی روحانی اور حقیقی اساس سے ہی محروم ہوتا چلا گیا، یورپی اقوام کے سیاسی غلبے و استیلا کے باعث یہ نظریات ساری انسانیت پر مسلط ہو گئے۔ مذہبی اساس سے محرومی کے باعث یہ اقوام کسی اخلاقی ضابطے سے بھی محروم ہو گئیں اور یوں انسانیت کا استیصال عام ہو گیا، مغربی تہذیب نے انسان کو مختلف تعصبات میں مبتلا کر دیا، وطنیت، نسل پرستی، مادیت اور ان جیسے دیگر عوارض نے غلبہ حاصل کر لیا۔ زندگی کی وحدت ختم ہو گئی اور انسانیت مختلف خانوں میں بٹ گئی۔ حیاتِ انسانی کے اس المیے کا ذکر کرتے ہوئے خطبات کے مترجم سیّد نذیر نیازی مقدمے میں لکھتے ہیں:

''زندگی کی وحدت تکلیف دہ اضداد میں بٹ گئی، جن کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے ایک نہیں کئی راستے ہیں، یہ راستے کہیں نہیں ملتے، نہ یہ ممکن ہے کہ ایک خاص حد سے آگے بڑھ سکیں، ایک راستہ عقل وفکر کا ہے ایک ایمان ویقین کا، ایک علم وحکمت کا اور ایک تہذیب وتمدن کا، ان

Marfat.com

تقاضوں کا جو حیات، فرد اور جماعت کی صورت گر ہیں لیکن جن کی نہ کوئی مشترک اساس ہے نہ کوئی جامع اصول جو ان سب کو ایک منزل تک لے جائے۔" (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ سیّد نذیر نیازی۔ بزمِ اقبال، لاہور ص ۲۲، ۲۳۔)

دوسری طرف جب یورپ علمی میدان میں مسلسل آگے بڑھ رہا تھا تو مسلمان زوال کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ صدیاں جو یورپ میں علمی انقلاب ترقی اور عروج کی صدیاں تھیں ان میں مسلمان زوال کی پستیوں میں گر کر انھی اقوام کی غلامی کا شکار ہو رہے تھے مسلمانوں میں علمی ترقی اور تحقیق تو رک چکی تھی اس کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر بھی مسلمان مسلسل انتشار اور شکست و ریخت سے دوچار تھے۔ عثمانی سلطنت ایک شان دار عروج دیکھ کر منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی تھی، اس سے یورپ کے مقبوضات تو رہے ایک طرف عرب علاقے بھی چھن رہے تھے۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال اور علمی جمود قوت وسطوت کے خاتمے کی وجہ سے اسلام کی شان دار تعلیمات بھی نشانے پر تھیں اور اسے بھی عیسائیت کی طرح ایک فرسودہ مذہب قرار دیا جا رہا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب سرزمینِ ہند میں اقبال نے جنم لیا، جب اقبال نے شعور کی منزلیں طے کیں اس وقت گویا مسلمانوں کا سیاسی، معاشرتی اور علمی زوال مکمل ہو چکا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ جو مسلمانوں کی مرکزیت، قوت سطوت اور سیاسی زندگی کی علامت تھی آخری سانسیں لے رہی تھی، ہندوستان میں مسلمان اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بحالی کے لیے آخری جنگ ۱۸۵۷ء میں لڑ کر ہار چکے تھے دنیا میں کوئی خطہ زمین ایسا نہیں تھا جہاں اسلام کے نام لیواوں کو عزت و آبرو حاصل ہو۔ مغرب کی فکری یلغار کا جواب دینے کے لیے انھی کے ہتھیاروں سے لیس کوئی بلند فکر راہ نما موجود نہ تھا۔ نئی صورت حال، نئے نظریات، بدلتی ہوئی دنیا اور اس کے مذہبی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی تقاضوں کے مطابق راہِ عمل کہیں سجھائی نہیں دیتی تھی۔ برصغیر کے مسلمان اسلام سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے لیکن محض جذباتی وابستگی سے کوئی راہ عمل نہیں نکل

Marfat.com

سکتی اور اس سے مسلمانوں کی رہی سہی قوت کے نقصان کا بھی اندیشہ تھا جیسا کہ تحریک خلافت اور تحریکِ ہجرت کا نتیجہ نکلا تھا۔

ایسی صورتِ حال میں ایک ایسے راہ نما کی ضرورت تھی جو مغرب کی فکری یلغار اور اس کے نقائص کو کما حقہ سمجھتے ہوئے مسلمانوں بالخصوص برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے سامنے راہ عمل رکھتا۔ ان کی اخلاقی ، قومی و ملی اور سیاسی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دیتا۔ بلاشبہ یہ عظیم الشان فریضہ علامہ اقبال نے انجام دیا۔ علامہ ایک طرف مغرب کے جملہ نظام ہائے فلسفہ سے نہ صرف آگاہ تھے بل کہ ان کے نقائص سے بھی بہ خوبی واقف تھے اور دوسری طرف وہ اسلامی علوم بالخصوص قرانِ پاک میں گہری بصیرت کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی حیات نو کے لیے درد مندانہ فکر رکھتے تھے بل کہ ان کی زندگی ، شاعری و فلسفہ کا محور ہی ملتِ اسلامیہ کی حیاتِ نو تھا۔ علامہ کے سامنے جہاں ملتِ اسلامیہ کی فکری راہ نمائی کا فریضہ تھا وہیں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے راہِ عمل کا تعین بھی تھا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس پر چل کر یہاں کے مسلمان اپنی قومی ہستی اور اپنے اجتماعی وجود کو باقی رکھ سکتے ہیں۔

....

اسلام سے محبت اور دین کی خدمت کا جذبہ حضرت علامہ کی تربیت کا حصہ تھا ان کے والدین نے ان کی تربیت ایک باعمل مسلمان کی حیثیت سے کی تھی۔ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کے بہ قول ان کے والد نے ان کی تعلیم اور تربیت کا معاوضہ ہی خدمتِ اسلام کی صورت میں طلب کیا تھا (زندہ رود۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، جلد اول، ص ۶۵) علامہ اگرچہ ابتدائی دور میں مختلف نظریات سے متاثر رہے لیکن دین کی محبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ ابتدا ہی سے ان میں موجود رہا۔ اس کی مثالیں ان کی ابتدائی شاعری میں ملتی ہیں۔ البتہ چوں کہ یہ دور اُن کی فکر کا تشکیلی دور تھا اس لیے ابھی اس میں کچھ باتیں ان کے سامنے واضح نہیں تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اُن کے افکار نکھرتے چلے گئے بالخصوص یورپ میں تعلیم حاصل کرنے اور یورپی تمدن کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد انھوں نے کچھ چیزوں کو ترک کر دیا۔

Marfat.com

یہ سارا دور علامہ کا تفکر اور غور وفکر کا دور ہے۔ مسلمان بہ حیثیت فرد اور مسلمان بہ حیثیت قوم اور پھر دونوں کے لیے زوال سے نکلنے اور احیائے اسلام کے لیے راہ عمل ان کی فکر کا محور رہے۔ اس کے لیے انھوں نے بڑے گہرے فکر کے بعد مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی اور اخلاقی، معاشرتی، قومی اور سیاسی راہ نمائی کے لیے گویا ایک مکمل لائحہ عمل ترتیب دیا اور پھر اپنی شاعری، افکار، ذاتی، معاشرتی، سیاسی اور قومی زندگی کو اس کے لیے وقف کر دیا۔

علامہ کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو ایک بلندی پر کھڑے ہو کر نیچے بھٹکنے والوں کو دیکھ رہا اور جس نے صحیح راہ بھی جان لی ہے اور اب وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں لگا کر لوگوں کی راہ نمائی کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے:

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

اقبال اُمت کی بھٹکتے ہوئے قافلے کو درست راستے کی طرف لے جانے کے لیے اپنا سب کچھ وقف کیے ہوئے ہے، انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ جذبے کی طاقت سے لیس ہو کر قوتِ عمل حاصل کریں، انھوں نے عقلی وفکری راہ نمائی کے لیے خطبات پیش کیے کہ وہ کسی فکری بحران کا شکار نہ ہوں اور آئندہ قوم فکری بنیادوں سے محروم نہ رہے۔ سیاسی راہ نمائی کے لیے خود میدانِ سیاست میں اُترے اور ایک نہایت نازک دور میں قوم کی راہ نمائی کی اور پہلے اپنے افکار کے نتائج حاصل کرنے کے لیے برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک الگ وطن کا تصور پیش کیا اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے ایک راہ نما بھی قائداعظم کی صورت میں قوم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جس نے ان کی توقعات کے عین مطابق قوم کی کشتی کو پار لگا دیا۔

اس مردِ درویش نے جذبہ عمل کے لیے شاعری کے ذریعے، فکری بنیادوں کے لیے اپنے فلسفیانہ افکار جو خطبات میں پیش کیے، کے ذریعے اور عملی صورت حاصل کرنے کے لیے اپنی مختصر سیاسی جدوجہد کے ذریعے ایک پراگندہ اور منتشر قوم کو ایک راستے پر لگا دیا۔ جو بالآخر اس قوم کو ایک مقام تک لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

Marfat.com

خطباتِ اقبالؔ اور تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ

علامہ اقبالؔ کے انگریزی خطبات جو ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصے میں لکھے گئے اور مختلف مواقع پر پڑھے گئے، پہلی بار ۱۹۳۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ خطبات نہایت مشکل انگریزی میں لکھے گئے اس پر ان کا موضوع بھی ایسا ہے کہ عام آدمی تو کیا تعلیم یافتہ طبقے بل کہ فلسفہ دان حضرات کے لیے بھی سمجھنا مشکل تھا اور کم ہی لوگوں نے انھیں سمجھنے کی کوشش کی، جیسا کہ سیّد نذیر نیازی لکھتے ہیں :

> ''بہت کم، فلسفہ دان حضرات نے بھی تو جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا، خطبات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ دراصل خطبات میں علامہ نے اساسی طور پر جو بحث اُٹھائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ مغربی فلسفہ اور علوم و معارف کے ساتھ ساتھ ہمیں اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت اور علم و حکمت پر پورا عبور حاصل ہو۔'' (مکتوباتِ اقبالؔ۔ سیّد نذیر نیازی۔ اقبال اکیڈمی، کراچی۔ ۱۹۵۷۔ ص ۲۵۔)

اسی طرح ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال لکھتے ہیں :

> ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ایک مشکل کتاب ہے، کیوں کہ اس میں مشرق و مغرب کے ڈیڑھ سو سے زائد قدیم و جدید فلسفیوں، سائنس دانوں، عالموں اور فقیہوں کے اقوال و نظریات کے حوالے دیے گئے ہیں اور اقبالؔ قاری سے توقع رکھتے ہیں کہ خطبات کے مطالعہ سے پیش تر وہ ان شخصیات کے زمانے، ماحول اور افکار سے شناسا ہو۔ ان شخصیات میں بعض تو معروف

Marfat.com

ہیں اور بعض غیر معروف ۔علاوہ اس کے خطبات کا اندازِ تحریر نہایت پیچیدہ ہے ۔ بسا اوقات کسی مقام پر ایک ہی بحث میں کئی مسائل کو اُٹھایا گیا ہے یا ایک مسئلہ پر جاری بحث کو اچانک چھوڑ کر کسی اور مسئلہ کا ذکر چھڑ جاتا ہے اور اس پر اظہارِ خیال کی تکمیل کے بعد پھر سے چھوڑے ہوئے مسئلہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے'' (زندہ رود ۔ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔جلد سوم ص ۴۷۰ ۔)

جب ان انگریزی خطبات کی زبان اور موضوعات کی یہ کیفیت تھی تو ان کے اُردو زبان میں منتقل ہونے سے کوئی خاص فرق پڑنے کا امکان نہیں تھا ۔ تاہم اس کے باوجود خطبات کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کے ترجمے کے لیے سوچ بچار اور کوشش شروع ہو گئی ۔ نذیر نیازی کے بہ قول وہی ان خطبات کے ترجمے کے محرک تھے :

''ایک روز یہی باتیں ہو رہی تھیں اور زور اس امر پر تھا کہ مسلمانوں کا اتحاد ان کی ہر جدوجہد کی شرطِ اولین ہے ۔مسلمانوں سے اسلام، اسلام سے اس کے سیاسی ،اجتماعی مقاصد اور سیاسی اجتماعی مقاصد سے بعض فلسفیانہ ما بعد الطبعی تصورات کا ذکر آ گیا، مَیں نے عرض کی خطبات کی اشاعت کب ہو گی ،فرمایا انتظام ہو رہا ہے، مَیں نے پھر عرض کیا ان کا اُردو ترجمہ کیسا رہے گا ،ارشاد ہوا ہو جائے تو اچھا ہے، لیکن ترجمہ کرے گا کون؟ مَیں نے عابد صاحب کا نام لیا ،فرمایا دہلی واپس جا رہے ہو ،ان سے گفت گو کرو ان کا ترجمہ کام یاب رہے گا۔'' (مکتوبات اقبال ۔سیّد نذیر نیازی ۔ص ۲۱ ۔)

لیکن علامہ کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر سیّد عابد حسین ترجمہ کی ذمہ داری نہ لے سکے تو پھر علامہ نے سیّد نذیر نیازی کو ہی ترجمہ کرنے کو کہا :

''انگریزی لیکچر قریباً ۱۵ اپریل کو تیار ہو جائیں گے، آپ اپنے دوست سے پوچھیے کہ آیا وہ اُردو ترجمہ کرنے کے لیے لاہور آ سکیں گے یا نہیں ۔ اگر وہ نہ آ سکیں تو آپ خود یہ کام کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں ۔'' (مکتوباتِ

Marfat.com

اقبال۔ سیّد نذیر نیازی۔ ص۲۲۔)

ایک دوسرے خط میں علامہ نے انھیں لاہور آ کر آزمائشی طور پر ترجمہ کرنے کے لیے کہا تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہو گی:

''آپ کا خط مل گیا ہے ترجمے کا خیال بہ دستور ہے بل کہ بعض اصحاب کی طرف سے تقاضا ہے کہ جلد کیا جائے۔ گو مجھے اس پر شبہ ہے کہ عام لوگ اس سے مستفیض ہو سکیں گے۔ علما جنھوں نے فلسفہ خاص طور پر مطالعہ کیا ہے وہ میرا مقصد سمجھ سکیں گے۔ بہر حال جب آپ لاہور آئیں تو نمونہ کے طور پر کچھ حصہ ترجمہ کریں تا کہ معلوم ہو کہ کہاں تک اس کوشش میں کامیابی ہو سکے گی۔'' (مکتوباتِ اقبال۔ ص۲۴۔)

چناں چہ سیّد نذیر نیازی نے علامہ ہی کی ہدایت پر ترجمہ شروع کیا۔ بعض اصطلاحات اور نکات کے حوالے سے علامہ نے خود ان کی راہ نمائی کی، اس کی تفصیل سیّد نذیر نیازی نے مکتوبات اور پھر ترجمے کے مقدمے میں دی ہے۔

سیّد نذیر نیازی نے نہایت محنت اور جاں فشانی سے یہ ترجمہ کیا، بہ قول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

''یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام تھا، چناں چہ نذیر نیازی کو ترجمے کی تکمیل میں کئی برس لگ۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کے نام سے اس کی پہلی اشاعت ۱۹۵۸ء میں بزم اقبال، لاہور سے ہوئی۔ متعدد نام ور نقادوں اور اقبال شناس علما نے اس ترجمے کو سراہا۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ مضمون، علامہ اقبال کے انگریزی خطبات۔ اقبالیات، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء ص۱۷۔)

◆◆◆

Marfat.com

تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ میں قرآنی حوالے

سیّد نذیر نیازی کی محنت اپنی جگہ لیکن اس ترجمے کی اشاعت کے سلسلے میں ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا گیا ۔ بالخصوص ابتدائی اشاعتوں میں ٹائپ اور حوالے بالخصوص قرانی آیات کے حوالہ جات میں ذمہ داری نظر نہیں آتی ہمارے پیشِ نظر تشکیلِ جدید کا بزمِ اقبال کا طبع شدہ تیسرا ایڈیشن (۱۹۸۶) ہے اس سلسلے میں کچھ نکات سامنے آتے ہیں۔ تشکیل جدید میں قرانی آیات کے حوالے تین طرح کے ہیں :

اول......اصل انگریزی متن میں جن آیات کا حوالے کے ساتھ ترجمہ دیا گیا ہے تشکیلِ جدید میں ان آیات کو اصل عربی عبارت میں دیا گیا ہے تشکیلِ جدید کے متن میں شامل ان قرانی آیات کا ترجمہ ساتھ نہیں دیا گیا، گویا فرض کرلیا گیا کہ اُردو کے قارئین آیات سمجھ جائیں گے، اصل انگریزی خطبات میں ان آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے اور حوالہ بھی موجود ہے تشکیلِ جدید میں حوالہ ساتھ ہی بریکٹ میں دے دیا گیا ہے ۔

دوم......انگریزی متن میں جہاں کہیں قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا گیا، تشکیلِ جدید میں ایسی آیات کا حوالہ حاشیے میں دے دیا گیا ہے۔

سوم......انگریزی متن میں آیت کا ذکر تو نہیں لیکن عبارت کا مفہوم کسی قرانی آیت سے ملتا ہے، تو تشکیلِ جدید میں اس کا حوالہ بھی حاشیے میں دیا گیا ہے لیکن یہ حوالہ جات جامع نہیں ہیں یعنی جہاں کہیں مناسب سمجھا گیا کسی آیت کا حوالہ دے دیا گیا۔ جہاں ضروری نہیں سمجھا گیا اگر عبارت میں قرانی آیت کا مفہوم تھا تو بھی حوالہ نہیں دیا گیا۔

Marfat.com

خطبات اقبال کے ابتدائی انگریزی ایڈیشن کے بارے میں معلوم نہیں کہ ان میں قرانی حوالہ جات کی ترتیب کیا تھی، آیا قرانی آیات اصل عربی میں تھیں یا نہیں البتہ اب خطبات کے جو انگریزی ایڈیشن ملتے ہیں ان میں آیات اصل عربی میں نہیں ہیں۔ ماہرینِ اقبال کے نزدیک انگریزی خطبات کا سب سے مستند نسخہ شعبہ فلسفہ، گورنمنٹ کالج، لاہور کے سابق سربراہ ایم سعید شیخ کا مرتب کردہ ہے۔

ہمارے پیشِ نظر اس کا ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور کا طبع شدہ ایڈیشن (۲۰۱۱ء) ہے۔ اس ایڈیشن کے متن میں قرانی آیات اصل عربی میں نہیں ہیں بل کہ ان کا ترجمہ دیا گیا ہے، اور ان کا حوالہ ساتھ ہی خطوط واحدانی میں دیا گیا ہے، حاشیے یا آگے notes&references میں ان آیات کا حوالہ نہیں۔ تشکیلِ جدید میں اصل آیات دی گئی ہیں۔ اور ان کے نمبر ساتھ ہی خطوط واحدانی میں دیئے گئے ہیں اصل انگریزی خطبات میں ترجمہ شدہ آیات اور تشکیلِ جدید کی اصل طبع شدہ آیات کے نمبروں میں فرق ہے۔ قرآن پاک سے موازنہ پر ایم سعید شیخ کے نمبر درست ہیں جب کہ تشکیلِ جدید کے نمبر درست نہیں ہیں ان نمبرات کی فہرست الگ دی گئی ہے۔ (تشکیلِ جدید کے نئے ایڈیشن ۲۰۱۲ میں ان میں سے بہت سے نمبرات کی درستی کی گئی ہے لیکن پھر بھی کچھ اغلاط باقی ہیں، درست کیے گئے نمبرات کے سامنے نشان دہی کر دی گئی ہے۔)

اغلاط نامہ

نمبر شمار	صفحہ نمبر تشکیلِ جدید (ایڈیشن ۸۶)	حوالہ آیت نمبر	درست نمبر	کیفیت
۱۔	۱۵	۴۴۔۳۸	۴۴۔۳۸،۳۹	
۲۔	۱۶	۳۔۱۸۸	۳۔۱۹۰۔۱۹۱	(۱۲ کے ایڈیشن میں ۳۔ ۱۸۸،۱۹۰ ہے)

Marfat.com

۳۔	۱۶	۲۹_۱۹	۲۹_۲۰	
۴۔	۱۶	۳۱_۱۹	۳۱_۲۰	
۵۔	۱۷	۹۵_۴	۹۵_۴،۵	
۶۔	۱۸	۸۴_۱۷_۲۰	۸۴_۱۶_۱۹	
۷۔	۱۸	۱۳_۱۲	۱۳_۱۱	
۸۔	۱۹	۲_۲۸_۳۱	۲_۳۰_۳۱	
۹۔	۲۰	۶_۹۸	۶_۹۷_۹۹	(۱۲ کے ایڈیشن میں ۶_۹۹ کیا گیا ہے)
۱۰۔	۲۰	۲۵_۴۷	۲۵_۴۶	
۱۱۔	۲۰	۸۸_۱۷	۸۸_۱۷_۲۰	
۱۲۔	۲۳	۳۲_۶_۸	۳۲_۷_۹	
۱۳۔	۲۹	۴۰_۶۲	۴۰_۶۰	

خطبہ دوم

۱۴۔	۷۰	۲۵_۶۳	۲۵_۶۲	(۱۲ میں درست کیا گیا ہے)
۱۵۔	۷۱	۳۱_۲۸	۳۱_۲۹	
۱۶۔	۷۱	۲۳_۸۲	۲۳_۸۰	
۱۷۔	۷۱	حوالہ درج ہی نہیں کیا	۳۹_۵	(۱۲ میں درست کیا گیا ہے)
۱۸۔	۷۵	۵۴_۴۹	۵۴_۴۹_۵۰	(۱۲ میں درست کیا گیا)
۱۹۔	۷۵	۲۵_۶۰	۲۵_۵۸،۵۹	
۲۰۔	۷۷	۱۹۵_۵۴		

یہ حوالہ ناقابلِ فہم ہے سابقہ تمام ترتیب میں پہلے سورت کا نمبر ہے اور پھر آیت کا نمبر۔ اس ترتیب سے سورت نمبر ۱۹۵ ہے جب کہ آیت نمبر ۵۴۔ جو عجیب ہے۔ اس حوالے کو ۲۰۱۲ء کے

Marfat.com

ایڈیشن میں بھی درست نہیں کیا گیا اور وہی حوالہ ۱۹۵_۵۴ دوبارہ ویسے ہی لکھا گیا ہے۔ تاہم ایم سعید شیخ کے ایڈیشن میں اس کے تین آیات کے حوالے درج ہیں۔ سورہ الفرقان آیت نمبر ۲۔ سورہ القمر آیت نمبر ۴۹ اور سورہ الاعلی آیت نمبر ۲،۳۔

۲۱۔	۸۵	۱۵_۶۳	۲۵_۶۲	
۲۲۔	۸۷	۵۳_۱۴	۵۳_۴۲	
۲۳۔	۸۹	۲۳_۸۲	۲۳_۸۰	

خطبہ سوم

۲۴۔	۹۵	حوالہ نہیں دیا گیا	۱۱۲_۱،۴	
۲۵۔	۱۲۱	۳_۲۵	۳_۲۶	
۲۶۔	۱۲۶	۷_۱۰	۷_۱۱	
۲۷۔	۱۲۶	۷_۹	۷_۱۰	
۲۸۔	۱۲۷	۲۰_۱۱۸	۲۰_۱۱۸،۱۱۹	(۱۲، میں درست کیا گیا ہے)
۲۹۔	۱۲۹	۲۱_۳۶	۲۱_۳۵	
۳۰۔	۱۲۹	۹۵_۴	۹۵_۴،۵	
۳۱۔	۱۳۹	تشکیل میں آیات بلاحوالہ نقل کی گئی ہیں	۲۲_۶۷،۶۸، ۶۹	(۱۲، میں درست کر دیا گیا)
۳۲۔	۱۴۰	۲_۵۲	۲_۱۱۵	(۱۲۔ میں درست کیا گیا ہے)
۳۳۔	۱۴۰	۲_۱۷۶	۲_۱۷۷	(درست کیا گیا ہے)
۳۴۔	۱۴۱	۶۹_۱۳	۴۹_۱۳	(اس سے آگے آیات کے نمبر ۱۲ کے ایڈیشن میں درست کیے گئے ہیں)

Marfat.com

خطبہ چہارم

۳۵۔	۱۴۳	۲۔۱۶۵	۶۔۱۶۵	
۳۶۔	۱۵۴	۱۷۔۸۷	۱۷۔۸۵	
۳۷۔	۱۶۱	۵۷۔۲	۵۷۔۳	
۳۸۔	۱۷۶	۸۴۔۱۸	۸۴۔۱۸،۱۹	
۳۹۔	۱۷۷	۵۶۔۵۹،۶۱	۵۶۔۵۸،۶۱	
۴۰۔	۱۷۸	۳۹۔۶۹	۳۹۔۶۸	
۴۱۔	۱۸۵	۵۰۔۲۱	۵۰۔۲۲	
۴۲۔	۱۸۵	۱۰۴۔۶	۱۰۴۔۶،۷	

خطبہ پنجم

۴۳۔	۱۹۱	۵۷۔۱۲۵	۵۷۔۲۵	
۴۴۔	۱۹۶	۳۔۱۳۹	۳۔۱۴۰	
۴۵۔	۲۱۲	۳۔۱۳۶	۳۔۱۳۷	

یہاں قرانی حوالوں اور مباحث کے ضمن میں اسی ترتیب کے مطابق ان آیات کا ترجمہ اور ساتھ ہی مختصر تفسیر بھی دی گئی ہے جو اصل متن کا حصہ ہیں، انگریزی میں ان کا ترجمہ ہے جب کہ تشکیلِ جدید میں ان آیات کو اصل عربی عبارت میں دیا گیا ہے، جو آیات اصل متن میں عربی عبارت کی صورت میں نہیں بل کہ تشکیلِ جدید کے حاشیے میں دی گئی ہیں یا ان کا حوالہ نمبر دیا گیا ہے ان کا بھی ترجمہ اور جہاں مناسب سمجھا گیا تفسیر دی گئی ہے۔

چوں کہ تیسری قسم کی آیات کے حوالہ جات تشکیل جدید میں جامع طور پر نہیں دیے گئے (یعنی جس طرح ایم سعید شیخ نے کاوش ومحنت سے ایسی تمام آیات کو جمع کیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہیں)۔ اس لیے ایسی آیات کے لیے ایم سعید شیخ کے انگریزی ایڈیشن میں دیے گئے حوالوں کے مطابق آیات کا صرف ترجمہ دیا گیا ہے۔ شیخ صاحب نے انتہائی محنت

Marfat.com

سے جہاں کہیں متن میں قرانی آیات کے مطابق مضمون ہے ان آیات کو تلاش کر کے ان کا حوالہ دیا ہے، یہاں ان آیات کا صرف ترجمہ شامل کیا گیا۔ خطبات کے مطالعے اور قرانی آیات کے ان حوالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے ایک طرف خطبات کی تیاری میں کس قدر عرق ریزی سے کام لیا اور اس کے ساتھ قرآن پاک میں ان کی گہری بصیرت بھی عیاں ہوتی ہے۔

◆◆◆

۱۴۲۵۶۱
Marfat.com

خطباتِ اقبالؔ میں تفسیرِ قرآن

جہاں تک تفسیر کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ علامہ اقبالؔ روایتی معنی میں کوئی مفسرِ قرآن نہیں تھے البتہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن پاک میں غیر معمولی بصیرت عطا کی تھی ان کی شاعری قرانی مفاہیم سے بھری پڑی ہے، ان خطبات میں بھی علامہ کی قرآن پاک میں غیر معمولی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ علامہ قرآن پاک کی آیات کو جس معنی میں استعمال کرتے ہیں روایتی مفسرین بھی وہی معنی مراد لیتے ہوں۔ علامہ کے مفاہیم اور روایتی مفسرین کے مفاہیم میں فرق یا اس پر بحث و تمحیص ہمارا منصب نہیں۔ بہ ظاہر کئی ایک مقامات ایسے ہیں جہاں علامہ نے آیات کے جو معنی مراد لیے ہیں روایتی مفسرین وہ معنی مراد نہیں لیتے۔ لیکن یہ بات صرف اُردو کے چند مفسرین کی حد تک ہے ورنہ تفاسیرِ قرآن میں بہت وسعت ہے عین ممکن ہے علامہ نے جو معنی مراد لیے ہوں وہ کسی دیگر تفسیر میں موجود ہوں۔

یہاں موضوع چوں کہ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ہے اس لیے صرف اُردو کی چند تفاسیر ہی کے حوالے سے تفسیر شامل کی گئی ہے۔ یہاں جن تفاسیر کو سامنے رکھا گیا یا جن کے حوالے شامل ہیں وہ یہ ہیں :

۱۔ تفسیر ابن عباس۔ اُردو ترجمہ: محمد سعید عاطف۔ مکی دار الکتب، لاہور (تین جلدیں)۔

۲۔ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ، پانی پتی، دار الاشاعت، لاہور ۱۹۹۹ء۔ (بارہ جلدیں)۔

۳۔ احسن تفسیر۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی۔ الفیصل ناشران کتب، لاہور (ایک جلد)۔

۴۔ معارف القرآن۔ مولانا مفتی محمد شفیع۔ ادارہ المعارف کراچی ۱۹۷۲ء۔

Marfat.com

۵۔ تفہیم القرآن۔مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔

۶۔ ضیاءالقرآن۔پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

۷۔ تدبر قرآن۔مولانا امین احسن اصلاحی۔فاران فاونڈیشن، لاہور۔

۸۔ تفسیر عثمانی۔مولانا شبیر احمد عثمانی۔

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے زیادہ حوالے مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی، تفہیم القرآن اور تدبر قرآن سے دیے گئے ہیں۔

....

خطباتِ اقبالؔ کی تفہیم اور بالخصوص اُردو زبان میں ان کی تشریح و توضیح ایک نہایت دشوار کام ہے اور جیسا ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کا حوالہ اُوپر دیا جا چکا ہے کہ ان خطبات کو سمجھنے کے لیے وسیع مطالعہ اور مشرق و مغرب کے فلاسفہ، علما، فقہا سے آگاہی ضروری ہے۔تاہم اُردو زبان میں ان خطبات کی تفہیم یا توضیح و تشریح اور تلخیص کے ضمن میں درج ذیل کاوشیں ہمیں دستیاب ہوئی ہیں :

ڈاکٹر عشرت حسین انور نے اقبال کی مابعد الطبیعات پر مقالہ لکھا، جس کا اُردو ترجمہ اقبال اکیڈمی نے شائع کیا۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب فکر اقبال کے اختتام پر ان خطبات کی تلخیص پیش کی ہے۔

پروفیسر محمد عثمان نے فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو کے عنوان سے اسے خطبات کی تلخیص اور توضیح کی ہے۔

وحیدالدین خان نے فلسفہ اقبالؔ کے نام سے خطبات کی تلخیص کی ہے۔

ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نے اپنی کتاب زندہ رود جو علامہ اقبالؔ کی ایک جامع سوانح عمری ہے، میں ان خطبات کی نہایت عام فہم تلخیص اور توضیح کی ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی کتاب ''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل کے

Marfat.com

آخری حصے میں خطباتِ اقبالؔ کو موضوع بنایا، ان کی فلسفیانہ بنیادوں کی توضیح کے ساتھ ان کی اہمیت کو واضح کیا۔

محمد سہیل عمر نے اپنی کتاب خطباتِ اقبالؔ نئے تناظر میں خطباتِ اقبالؔ کا فلسفے کی بنیاد پر تنقیدی جائزہ لیا۔ ڈاکٹر وحید عشرت نے بھی علامہ کے خطبات کا ایک ترجمہ کیا۔

اس کے علاوہ خطبات کے حوالے سے جو کوششیں ہوئی ہیں وہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر یا ان سے استفادہ نہیں کیا جا سکا، یہ بھی ممکن ہے کہ اس طرح کے مباحث اور ان موضوعات پر تفصیلی تحقیق ہو چکی ہو اور یہ کوشش بے معنی ٹھہرے۔ ہمیں خطبات کی ایک عام قاری اور معمولی تعلیم رکھنے والے عام آدمی کے لیے خطبات کی تفہیم کی کوشش یا ان کا سب سے عام فہم خلاصہ جسٹس جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود میں نظر آیا اس لیے وہیں سے خطبات کے اہم نکات نقل کر دیے گئے ہیں۔ ممکن ہے جسٹس صاحب کے خلاصے یا نکات سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو ایسی صورت میں اعتراف عجز ہے۔

◆◆◆

Marfat.com

خطبہ اول

علم اور مذہبی مشاہدات

Knowledge and Religious Experience

خطبے کے اہم نکات

تحصیلِ علم کے تین ذرائع ہیں، حواس، عقل اور وجدان، تینوں محدود ہیں۔ اگر حواس کے ذریعے حاصل کردہ علم کی صحت عقل کے ذریعے پرکھی جاسکتی ہے تو وجدان کے ذریعے حاصل کردہ علم کی جانچ بھی عقلی اور عملی معیار کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ عقلی معیار سے مراد ناقدانہ تعبیر ہے اور اس سے فلسفی کام لیتا ہے جب کہ عملی معیار معلومات و مشاہدات کے نتائج کو دیکھنا ہے اور اس سے نبی کام لیتا ہے۔

علما نے ہر دور میں دینی عقائد واقدار کو عقلی بنیادوں استوار کر کے قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی تا کہ عملی زندگی متزلزل نہ ہو، اقبال کے نزدیک عقل و وجدان میں کوئی بنیادی تضاد نہیں فرق صرف رفتار کا ہے۔ علامہ، برگسان سے اتفاق کرتے ہیں کہ عقل وجدان ہی کی ایک بلند تر یا ترقی یافتہ صورت ہے۔

علامہ کو احساس تھا کہ مسلمان گزشتہ پانچ سو برس سے جمود کا شکار ہیں۔ اور اس عرصے میں یورپ نے انھی مسائل پر غور وفکر کیا اور اب انسانی فکر و تجربہ میں غیر معمولی ترقی ہو چکی ہے اب فلسفہ و مذہب کے مشترک مسائل پر نئے زاویہ سے غور وفکر ضروری ہو چکا ہے ایشیا اور افریقہ کی نئی مسلمان نسل کا تقاضا ہے کہ ان مسائل پر نئے انداز سے غور کیا جائے۔

Marfat.com

اقبالؔ قرانی آیات کے حوالے سے واضح کرتے ہیں کہ یہ کائنات بے مقصد نہیں اور نہ کوئی کھیل تماشا ہے اور نہ کوئی تکمیل شدہ مظہر ہے جو نا قابلِ تغیر تبدل ہے۔ انسان ایک تخلیقی فعالیت ہے جو اپنی گردونواح کی بہتری کی خاطر گہری سے گہری آرزوں میں شریک ہوکر، کبھی ان قوتوں سے توافق پیدا کر کے اور کبھی ان کو اپنے مقصد میں ڈھال کر اپنی اور اس کے ساتھ کائنات کی تقدیر متشکل کرسکتا ہے۔

اقبالؔ کی نگاہ میں قرانِ حکیم جا بہ جا مطالعہ فطرت اور مشاہدہ پر اصرار کرتا ہے اسی لیے مسلمانوں نے طبیعی علوم کی بنیاد رکھی ورنہ اس سے پہلے جتنے تمدن گزرے، انھوں نے تخیل و قیاس سے ظاہر کا راستہ اختیار کیا، یوں انھوں نے مفروضے قائم کر لیے لیکن قوت سے محروم رہے۔ لیکن صرف مفروضوں پر کوئی پائیدار تمدن قائم نہیں ہوسکتا۔ (ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال۔ زندہ رود۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ۱۹۸۷ء۔ جلد سوم، ص ۳۷۲۔)

خطبہ اول میں براہ راست قرآنی آیات ۳۲ مقامات پر تحریر کی گئی ہیں اور کل ۶۱ آیات درج کی گئی ہیں۔

قرآنِ پاک میں مطالعۂ فطرت کی تعلیم

خطبۂ اول میں ابتدائی بحث میں علامہ نے اسلامی اور یونانی فکر کا موازنہ کرتے ہوئے قرآن پاک کی تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ علامہ کہتے ہیں:

> ''جب ہم علمِ کلام کے ان مختلف مذاہب پر نظر ڈالتے ہیں جن کا ظہور فلسفہ یونان کے زیرِ اثر ہوا اور اُن کا مقابلہ قرآنِ پاک سے کرتے ہیں تو یہ اہم حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ یونانی فلسفہ نے مفکرینِ اسلام کے مطمع نظر میں اگرچہ بہت وسعت پیدا کردی تھی مگر بہ حیثیتِ مجموعی قرآن مجید میں ان کی بصیرت محدود ہوکر رہ گئی، سقراط کی توجہ صرف عالمِ انسانی پر تھی اس کے نزدیک انسانی مطالعے کا بہترین موضوع انسان ہی ہوسکتا ہے نہ کہ نباتات اور حشرات یا ستاروں کی دنیا، مگر اس کے کس قدر مختلف ہیں قرآن پاک کی

Marfat.com

تعلیمات جس کا ارشاد ہے کہ شہد کی مکھی جیسی حقیر شئے بھی وحی الٰہی سے بہرہ ورہوئی اور جس نے بار بار اس امر کی دعوت دی کہ ہواؤں کے مسلسل تغیر و تبدل کا مشاہدہ کیا جائے، نیز دن رات کے اختلاف تاروں بھرے آسمان اور بادلوں کا جو فضائے لامحدود میں تیرتے پھرتے ہیں۔" (تشکیلِ جدید ص۵،۶)

گویا علامہ اقبالؔ کے نزدیک قرآنِ پاک نے مشاہدے اور تجربے کی دنیا یا حواس سے حاصل شدہ علم پر زور دیا ہے، اور بار بار اس عالمِ فطرت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس ضمن میں درج بالا عبارت میں علامہ نے قرآن پاک کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ قرآن پاک کی سورہ نحل کی آیت ہے :

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ (۶۸)

ترجمہ: اور تمھارے خدا نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جولوگ بناتے ہیں گھر بنا۔

(۱۶۔۶۸)

سورہ نحل مکی سورت ہے سوائے چار آیات کے اس میں کفار کو تنبیہ کے ساتھ ساتھ توحید کے دلائل، کائنات کے مختلف اجزا کا باہمی توافق، مشرکین کی تردید، مومنین کی ہمت افزائی اور قیامت کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس نے بخش رکھی ہیں۔ اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۶۵ سے ۶۷ تک اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے آسمان کی بارش، زمین کی زندگی، چار پایوں سے حاصل ہونے والے خالص دودھ اور پھلوں سے حاصل ہونے والی خوراک کا ذکر کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

"شہد کی مکھی کو حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاری گری اور باریک صنعت سے اپنا چھتا پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑی

Marfat.com

مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرماں برداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ان کے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے،جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے۔" (تفسیر عثمانی۔ص۳۶۲۔)

اس آیت میں لفظ وحی، (وحی) استعمال ہوا، لفظ وحی کے حوالے سے خطبات کے مترجم (سیّد نذیر نیازی) تصریحات میں لکھتے ہیں :

"لغوی اعتبار سے وحی وہ مخفی اشارہ ہے جس سے گویا بلا قید زمانہ ہمیں طرفۃ العین میں کسی حقیقت کا علم ہو جاتا ہے، وہ ایک صفت ہے جو خالقِ کائنات نے زندگی کو عطا کی اوراس لیے اتنی عام ہے، جتنی زندگی، جیسا کہ اُوپر کی آیت سے بجاطور پر استدلال کیا جاتا ہے، بل کہ کائنات میں بھی ہر کہیں موجود ہے۔قرآن پاک نے لفظ وحی کو اس کے لغوی معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔اصطلاحاً البتہ وحی سے مراد ہے وحی رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جس کی صحت مسلم ہے اور جو اس لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حجت ٹھہرے گی۔" (تشکیلِ جدید ۔ص۱۶۔۳۱۵۔)

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں ۔وحی اور ایحا عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا، خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے اشارے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے، اس لیے لفظ وحی اور ایحا یہ دل میں بات ڈال دینے کے معنی میں بھی آتے ہیں، حتیٰ کہ شیاطین کو دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (نسیم البیان۔محمد علی صابونی، ترجمہ۔المیزان ناشران کتب، لاہور۔ص۔۵۱۔)

خود علامہ نے انھی خطبات میں ایک دوسرے مقام پر وحی کے بارے میں لکھا ہے:

"قرآن مجید نے لفظ وحی کا استعمال جن معنوں میں کیا ہے ان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی خاصہء حیات ہے اور ایسا ہی عام ہے جیسے زندگی، یہ دوسری بات ہے کہ جوں جوں اس کا گزر مختلف مراحل سے ہوتا ہے یا یوں

Marfat.com

کہیے کہ جیسے جیسے وہ ارتقا اور نشو نما حاصل کرتی ہے ویسے ہی اس کی ماہیت اور نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ یہ کسی پودے کا زمین کی پنہائیوں میں آزادانہ سر نکالنا، یہ کسی عضو کا نشو نما یا کسی انسان کا خود اپنی ذات اور وجود میں زندگی کی گہرائیوں سے نور اور روشنی حاصل کرنا، یہ سب وحی کی شکلیں ہیں۔'' (تشکیلِ جدید۔ص ۱۹۱)

(اس حوالے سے انگریزی متن کے مرتب ایم سعید شیخ نے قرآن پاک کی متعدد آیات کے حوالے دیے ہیں، یہاں ان کے تراجم نقل کیے جاتے ہیں۔)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍصوَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۱٦٤)

۱۔ بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو اُتارا اللہ نے آسمان سے، پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل جو تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان اور زمین کے بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے کے لیے۔ (۲ : ۱۶۴)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ ۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ط یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ (٤٣)

Marfat.com

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (٤٤)

۲۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر ان کو ملا دیتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ، پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اُتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے، ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو۔ اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو (۲۴۔۴۳،۴۴)

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (٤٨) ۚ

۳۔ اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر اُٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے اس کو آسمان میں جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ، پھر تو دیکھے مینہ کو نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں، تب ہی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے (۳۰۔۴۸)

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (٩)

۴۔ اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں، پھر اُٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہانک لے گئے ہم اس کو مردہ دیس کی طرف، پھر زندہ کر دیا ہم نے اس سے زمین کو مر جانے کے بعد اسی طرح ہوگا جی اُٹھنا۔ (۳۵۔۹)

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ

Marfat.com

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (٥)

۵۔ اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ جو اُتاری اللہ نے آسمان سے روزی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد اور بدلنے میں ہواوں کے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں۔(۴۵ : ۵)

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (١٦)

۶۔ اور ہم نے بنائے آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں (۱۵: ۱۶)

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا(٦)

۷۔ تو کہہ اس کو اُتارا اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمان میں اور زمین میں، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۵۔۶)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ (٦)

۸۔ ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں۔(۳۷۔۶)

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (١٢)

۹۔ پھر کر دیئے سات آسمان دو دن میں اور اُتارا ہر آسمان میں حکم اس کا اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا اور یہ سادھا ہوا ہے ایک زبردست خبردار کا۔(۴۱۔۱۲)

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (٦)

۱۰۔ کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اُوپر کیسا ہم نے بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں کوئی سوراخ (۵۰۔۶)

Marfat.com

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (۵)

۱۱۔ ہم نے رونق دی سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور ان میں رکھی ہے ہم نے پھینک مار شیطانوں کے واسطے اور رکھا ان کے واسطے عذاب دہکتی آگ کا۔(۶۷۔۵)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (۱)

۱۲۔ قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں۔(۸۵۔۱)

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۳)

۱۳۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں(۲۱۔۳۳)

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (۴۰)

۱۴۔ نہ سورج سے ہو کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں پیرتے ہیں۔(۳۶۔۴۰)

اعضاو جوارح جواب دہ ہیں :

علامہ اسی حوالے سے آگے چل کر لکھتے ہیں :

> ”سقراط کے شاگرد رشید افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت ہی رہی۔ اس کا خیال تھا ادراک بالحواس سے کوئی حقیقی علم تو حاصل نہیں ہوتا، ہم اس کی بنا پر صرف ایک رائے قائم کر سکتے ہیں۔ برعکس اس کے قرآن مجید نے سمع و بصر کا شمار اللہ تعالیٰ کے گراں قدر انعامات میں کیا ہے اور عنداللہ اپنے اعمال وافعال کا جواب دہ ٹھہرایا۔“ (تشکیلِ جدید، ص ۔۵۔)

یہاں علامہ نے جس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے وہ قرآن پاک میں متعدد

Marfat.com

مقامات پر بیان ہوا ہے۔ مثلاً :

وَ اللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا لا
وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ لا لَعَلَّکُمْ
تَشْکُرُوْنَ (۷۸)

۱۔ اور اللہ نے تم کو نکالا تمھاری ماں کے پیٹ سے نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تا کہ تم احسان مانو۔(۱۶۔۷۸)

وَ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ ط قَلِیْلًا مَّا
تَشْکُرُوْنَ (۷۸)

۲۔ اور اسی نے بنا دیے تمھارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔(۲۳۔۷۸)

ثُمَّ سَوّٰىہُ وَ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ
الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ (۹)

۳۔ پھر اس کو برابر کیا اور پھونکی اس میں جان اور بنا دیے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم سب تھوڑا شکر کرتے ہو۔(۳۲۔۹)

قُلْ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْئِدَۃَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ (۲۳)

۴۔ تو ہی کہہ وہی ہے جس نے تم کو بنا کھڑا کیا اور بنا دیے تمھارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔(۶۷۔۲۳)

لوحِ محفوظ

’’جہاں تک اظہار ذات کا تعلق ہے فکر کی مثال ایک کل کی ہے جسے اگر بقید زمانہ دیکھیے تو قطعی تخصصات کے ایک سلسلے کی شکل اختیار کرے گا اور جن کا ادراک ہم ایک دوسرے کے حوالے ہی سے کر سکیں گے۔ بہ الفاظ دیگر ان کے کچھ معنی ہیں تو اپنے ذاتی تشخص میں نہیں بل کہ اس وسیع تر کل کے جس

Marfat.com

کے وہ مخصوص پہلو ہیں اور جسے قرآن پاک نے لفظ لوحِ محفوظ سے تعبیر کیا ہے، چناں چہ یہ لوحِ محفوظ ہی وہ کل ہے جس میں علم کے جملہ غیر معین امکانات ایک حقیقتِ حاضرہ کی طرح شروع ہی سے موجود ہیں اور جو زمان متسلسل میں اظہارِ متناہی تصورات کے ایک ایسے تواتر کی شکل میں کر رہا ہے جس کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سب تصور کسی وحدت میں ضم ہو جائیں گے جو ابتدا ہی سے ان میں مضمر ہے۔" (تشکیلِ جدید۔ص ۹۔۱۰)

لفظ لوحِ محفوظ قرآن حکیم کی سورہ البروج کی آیت نمبر ۲۲ میں آیا ہے :

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (۲۱) لا فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۲۲)

ترجمہ: بل کہ یہ قرآنِ عظیم الشان ہے۔ لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا)۔ (۸۵۔ ۲۱۔۲۲)

لوحِ محفوظ کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں :

طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتی کا بنایا اور اس کے صفحات یاقوت کے قلم نور کا اور تحریر نور کی ہے، ہر روز تین سو ساٹھ لمحات میں اللہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت و زندگی عطا کرتا ہے، عزت اور ذلت اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ محفوظ لوح کی صفت ہے، لوح شیطانوں سے اور کمی بیشی سے محفوظ ہے، اسی لیے اس کو لوحِ محفوظ کہا جاتا ہے، یہ اُم الکتاب بھی ہے اسی سے الکتاب (یعنی قرآن) کو نقل کیا گیا ہے، نافع کی قرات میں "محفوظ" آیا ہے اس وقت یہ قرآن کی صفت ہوگی، اللہ نے فرمایا (ترجمہ) ہم نے اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس لیے ممکن نہیں کہ اس میں کسی دوسری عبادت کا الحاق کر دیا جائے اللہ خود اس کا محافظ اور اس کی عبارت بھی اعجازی ہے نہ اس میں ردوبدل ممکن ہے نہ کچھ حذف کر دینا۔" (تفسیر مظہری۔ قاضی ثنا اللہ پانی پتی۔ جلد ۱۱، ۱۲ دارالاشاعت لاہور ۱۹۹۹ ص ۲۴۵)

Marfat.com

کائنات کی نوعیت

علامہ نے پہلے خطبے کے آغاز میں کچھ مباحث، یونانی فکر کے نقائص اور اس کے مقابل اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کے بعد اسلامی اور مغربی فکر پر ایک تنقیدی نظر ڈالی ہے، بالخصوص ابنِ رشد، امام غزالی اور اہلِ مغرب میں کانٹ کے افکار وتصورات کا موازنہ اور ان پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔اس کے بعد عالمِ اسلام کے پانچ صدیوں کے فکری جمود اور مغربی فکر اور سائنس کی ترقی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلامی فکر کے جائزے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''لہٰذا وقت ہے کہ ہم اسلام کے بنیادی اُصولوں کا جائزہ لیں، چناں چہ ان خطبات میں بھی میرا یہی ارادہ ہے کہ اسلام کے بعض اساسی افکار کی بحث فلسفیانہ نقطہ نظر سے کروں تا کہ اور نہیں تو بہت ممکن ہے ہم اس حقیقت کو آسانی سے سمجھ سکیں کہ بہ حیثیت ایک پیغام کے جس کا خطاب ساری نوع انسانی سے ہے اسلام کے معنی کیا ہیں؟ مزید یہ کہ اس طرح سے جو سلسلہ بحث قائم ہو اس کا ایک بنیادی ساخاکہ قائم کرنے کے لیے ہم اس تمہیدی خطبے میں اس مسئلے پر بھی نظر ڈالیں کہ علم کی نوعیت کیا ہے اور مذہبی مشاہدات کیا کیا۔ (تشکیلِ جدید۔ص ۱۳)

علامہ کے نزدیک

> ''اسلام نے مجاز اور حقیقت یا عینی اور واقعی کو دو متضاد اور متخالف قوتیں نہیں ٹھہرایا کہ ان میں باہم کوئی مصالحت ہی ممکن نہ ہو اور عینی کی ہستی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کا رشتہ واقعی سے کلیتاً منقطع ہو جائے۔'' (تشکیلِ جدید۔ص ۱۴)

دونوں کا (اسلام اور عیسائیت) مطالبہ ہے کہ ہم روحانیت کا اثبات کریں جو ہمارے اندر موجود ہے۔اختلاف ہے تو اتنا کہ اسلام نے عینی اور واقعی یا حقیقت اور مجاز کے اتصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیائے مادیات کو رد نہیں کیا بل کہ لبیک کہتے ہوئے اس کی تسخیر وتصرف کا راستہ

Marfat.com

دکھلایا۔ تا کہ ہم اپنی زندگی کا نظم وانضباط واقعیت کی اساس پر کریں :

''لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک کے نزدیک اس کائنات کی جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں نوعیت کیا ہے، اول یہ کہ اس کی آفرینش اس لیے نہیں ہوئی کہ تخلیق کا عمل ایک کھیل ہے۔'' (تشکیل ص۔۱۵)

علامہ نے اس حوالے سے قرآن پاک کی چند آیات پیش کی ہیں۔

کائنات کی تخلیق محض کھیل تماشا نہیں

علامہ نے اس حوالے سے سب سے پہلے سورہ دخان کی دو آیات پیش کی ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ (۳۸) مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴۴۔۔۳۸،۳۹)

ان آیات کی تفسیر میں علامہ مشرقی لکھتے ہیں :

''اب عظیم الشان آیات کی قدر و قیمت جن میں دنیا کی تمام آسمانی اور زمینی کتابوں کو چھوڑ کر پہلی بار انسان کے سامنے صحیفہ فطرت کے بارے میں صدیوں کی بے مثال جدوجہد، انتہائی تکلیف اور بے مثال کوشش کے بعد اعلان کیا گیا کہ دنیا میں صرف ایک شئے ہے جو حقیقت ہے اور وہ حقیقت صحیفہ فطرت ہے، واضح ہے آج ہزاروں سالوں سے انسان لاتعداد مقاتلے، مجاہدے اور مباحثے صرف اس بات پر ہو رہے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور کروڑ در کروڑ بلکہ ارب در ارب انسان صرف اس بنیاد پر کٹ مرے کہ سچائی کس فریق کے ساتھ تھی ۔۔۔۔۔۔ قرآن عظیم نے دنیا کے تمام نظریات، تمام دعاوی، تمام ڈھکوسلوں، تمام منطقوں اور بحثوں کو بالائے طاق رکھ کر دھڑلے سے یہ محاکمہ دیا کہ اس کائنات جہاں میں صرف ایک

Marfat.com

سچائی ہے جو صحیفہ فطرت ہے اس کے سوا دوسری کوئی سچائی نہیں، چناں چہ قرآن حکیم میں ایک نہیں چودہ بار صرف اس شئے کو دھرایا گیا ہے کہ صحیفہ فطرت واحد حقیقت ہے اور انسان کو چاہیے کہ صرف اس شئے کو جو اس کی آنکھ (بصر) دیکھے کان (سمع) سنیں اور اس کا ذہن (فواد) سمجھے حقیقت سمجھے۔" (احسن تفسیر۔علامہ عنایت اللہ المشرقی۔الفیصل ناشران کتب، لاہور۔ص ۸۰۷)

یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشا نہیں بنایا بل کہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ ایک دن نکل کر رہے گا وہی نتیجہ آخرت ہے۔(تفسیر عثمانی۔ص ۶۶۱)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

"فرمایا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین، ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا بل کہ ایک برتر غایت اور ایک مقصد حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اس مقصد حق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک دن یہ دنیا ختم ہو اور اس کے بعد ایسا دن آئے جس میں اس کا خالق لوگوں کو انعام دے جنھوں نے اس کی پسند کے مطابق زندگی گزاری ہو۔" (تدبر قرآن۔جلد ہفتم، امین احسن اصلاحی۔فاران فاونڈیشن، لاہور ص ۲۸۹۔۲۹۰۔)

اس موضوع پر ایم سعید شیخ نے مزید آیات پیش کی ہیں یہاں ان کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (١٦)

۱۔ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمیں کو اور جو کچھ ان کے بیچ ہے کھیلتے ہوئے۔(۲۱۔۱۶)

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

Marfat.com

۲۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے، اور فکر کرتے ہیں، آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے سب عیبوں سے ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے (۳۔۱۹۱)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ

۳۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان میں ہے اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا۔ یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ (۳۸:۲۷)

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۵)

۴۔ اور وہ خدا ہے جس نے سورج کو شعلہ بنا دیا ہے اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم سنوں کی گنتی کر سکو اور حساب کر لو۔ خدا نے پیدا نہیں کیا مگر ساتھ حقیقت کے ان اشاروں کو علم والی قوم کے فائدے کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے۔ (۱۰۔۵)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (۱۹)

۵۔ لوگو کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے آسمانوں کو زمین کو دل لگی یا مخول کے طور پر نہیں بنایا بل کہ اس کی ہر بات ایک مستقل حقیقت ہے اور راہ راست پر چل رہی ہے۔ (۱۴۔۱۹)

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (۸۵)

Marfat.com

۶۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے اس کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا اور قیامت تو ضرور آ کر رہے گی تو تم (ان لوگوں سے) اچھی طرح درگزر کرو (۱۵۔۸۵)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۳)

۷۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی بر حکمت پیدا کیا اس کی ذات ان (کافروں) کے شرک سے اونچی ہے۔ (۱۶۔۳)

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ

۸۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طریقے پر بنایا اور ان مضامین میں اہل ایمان کے لیے بڑی دلیل ہے۔ (۲۹۔۴۴)

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ (۸)

۹۔ کیا انھوں نے اپنے دل پر غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کے لیے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ (۳۰۔۸)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (۲۲)

۱۰۔ اور خدا نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۴۵۔۲۲)

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

Marfat.com

مُّسَمًّى ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ (۳)

۱۱۔ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مبنی بر حکمت اور ایک وقت مقرر کے لیے پیدا کیا ہے اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔(۴۶۔۳)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۳)

۱۲۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی بر حکمت پیدا کیا اور اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی پاکیزہ بنائیں اور اسی کی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے(۶۴۔۳)

کائنات ایک حقیقت ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا، تو پاک ہے تو (قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔(آلِ عمران۔۳:۱۹۰۔۱۹۱)

یعنی عقل مند آدمی جب آسمان اور زمین کی پیدائش، ان کے عجیب وغریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط اور محکم نظام پر غور کرتا ہے تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ کسی مختارِ کل اور قادرِ مطلق فرماں روا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت واختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے

Marfat.com

محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے، اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت واختیار سے باہر ہوتو مجموعہ عالم کا یہ مکمل نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

''یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے، اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے جیسے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، کان یذکر اللہ علی کل ۔۔۔نماز بھی بہت بڑی یاد ہے اس لیے آپ نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے لیٹ کر پڑھ لے۔ بعض روایات میں ہے کہ جس رات یہ آیات نازل ہوئیں نبی کریم کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے تھے۔ (تفسیر عثمانی۔ص۔۹۷)

۲۔ سورہ پاک کا اختتام ان آیات سے کیا اور اہلِ علم کو ان میں فکر ونظر کی دعوت دی، کیوں کہ کارخانہ قدرت کی نیرنگیوں پر وہ جتنا غور وفکر کریں گے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے علم محیط اور حکمت کاملہ پر ان کا ایمان پختہ ہوگا اور پختگی تقلیدی نہیں ہوگی بل کہ تحقیقی ہو گی۔ (ضیاءالقران۔ پیر محمد کرم شاہ۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور جلد اول،ص ۳۰۷،س ن)

۳۔ ان ارباب بصیرت کا بیان ہو رہا ہے جو اللہ کو ہر جگہ اور ہر حال میں یاد رکھتے ہیں اور زمین وآسمان کی خلقت پر برابر غور کرتے رہتے ہیں، فرمایا کہ یہ ذکر وفکر خود بہ خود اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ یہ عظیم کارخانہ بے غایت وبے مقصد نہیں ہوسکتا تو لازم ہے کہ یہ محض اتنے ہی پر تمام نہ ہو جائے جتنا ظاہر ہو رہا ہے بل کہ ضروری ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جس میں گناہ گار اور نیکوکار دونوں اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے اور اس دنیا کی خلقت میں جو عظیم حکمت پوشیدہ ہے ظاہر ہو۔ (تدبر قرآن۔ امین احسن اصلاحی۔ص ۲۲۷)

کائنات میں مزید وسعت کی گنجائش ہے

کائنات کی نوعیت ہی کے حوالے سے علامہ مزید لکھتے ہیں :

''اور اس (کائنات) کی ترکیب بھی اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں مزید

Marfat.com

وسعت کی گنجائش ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۶)

یہاں ترجمے میں سورہ فاطر کی پہلی آیت کا صرف ایک حصہ یہاں شامل کیا گیا، جس کا ترجمہ ہے۔ اور مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے (بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے) پوری آیت جو سورہ فاطر کی پہلی آیت ہے اس کا ترجمہ یوں ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا
اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا
یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱)

ترجمہ: سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں وہ اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۵۔۱)

یہاں فرشتوں کے پروں کا ذکر ہے علامہ نے اسے کائنات کے توسیع ہونے کے معنوں میں لیا ہے۔

۱۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی کے نزدیک پروں سے مراد مختلف قوتیں ہیں۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دے، فرشتوں کے دو دو تین تین یا چار بازو یا پر اس نے بنائے تو بعض فرشتوں کے پر زیادہ بنا دیے، چناں چہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل کے چھ سو بازو یا پر ہیں اور جاعل الملائکتہ رسلا سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے ہرگز نہیں وہ بذاتِ خود ہر چیز پر قادر ہے محض حکمت کی بنا پر ان وسائط کا سلسلہ قائم ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۷۹)

۳۔ ان الفاظ (یزید فی الخلق مایشاء) سے مترشح ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بازوؤں کی انتہائی تعداد چار ہی تک محدود نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو اس سے بھی زیادہ بازو عطا فرمائے ہیں، حدیث میں عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی صلی

Marfat.com

اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے جبریل کو ایک مرتبہ اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھے سو بازو تھے۔ تفہیم القرآن۔ (مولانا مودودی، جلد چہارم، ص ۲۱۸۔)

کائنات جامد اور تکمیل شدہ نہیں

''یہ کائنات کوئی جامد کائنات نہیں، نہ ایک ایسا مصنوع ہے جس کی تکمیل ختم ہو چکی ہے اور جو بے حس و حرکت اور نا قابلِ تغیر و تبدل ہے، بر عکس اس کے معلوم ہوتا ہے اس کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے۔''

(تشکیل، ص ۱۶)

علامہ نے یہاں قرآن مجید کی سورہ العنکبوت کی آیت نمبر ۲۰ کا ایک حصہ پیش کیا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (۲۰)ۚ

ترجمہ: کہہ دو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر خدا ہی پچھلی پیدائش پر پیدا کرے گا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۹۔۲۰)

''یہی عنوان قدرے تفاوت عنوان سے سنانے کے لیے حضور صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہیے کہ تم لوگ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا، پھر پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے پہلے عنوان میں ایک عقلی استدلال ہے اور دوسرے میں حسی جس کا تعلق احوالِ کائنات کے مشاہدہ سے ہے۔''

(معارف القرآن۔ ادارہ المعارف، کراچی۔ مولانا مفتی محمد شفیع، جلد ششم۔ ص ۶۷۱ طبع اول اکتوبر ۱۹۷۲۔)

یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش پر غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کہ

Marfat.com

کیسی کیسی مخلوق اللہ نے پیدا کی ہے اس پر دوسری زندگی قیاس کرلو، اس کی قدرت کچھ محدود نہیں۔ (تفسیر عثمانی۔ص، ۵۳۰)

یہ اس دنیا کے مظاہر پر صحیح نقطۂ نگاہ سے غور کرنے کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ اس دنیا کے نظام کو اس طرح چلا رہا ہے کہ یہ تمام حقائق کی تعلیم کے لیے خود اپنے وجود کے اندر ایک مکمل تربیت گاہ ہے۔

فرمایا کہ اس زمین میں چلو پھرو اور غور کی نگاہ سے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح خلق کا آغاز فرماتا ہے اور پھر اس کو فنا کر کے اس کو دوبارہ اُٹھا کھڑا کرتا ہے۔ ایک قوم کو وجود بخشتا ہے پھر اس کو مٹا کر دوسری قوم لاتا ہے۔ رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے، خزاں کے بعد بہار آجاتی ہے، یہ سارے مشاہدات وہ اس لیے کرا رہا ہے کہ انسان مرنے کے بعد کی زندگی کو بعید از امکان تصور نہ کرے۔ (تدبر قرآن، جلد ششم، ص۔۳۱۔)

علامہ نے اس آیتِ مبارکہ کو زیادہ وسیع معنوں میں لیا ہے۔

زمانے کی روانی آیات الٰہی میں سے ہے

"دراصل کائنات کا یہ پُراسرار اہتزاز اور تحریک، علیٰ ہذا زمانے کی یہ خاموش روانی، جس کا احساس ہم انسانوں کو دن اور رات کی گردش سے ہوتا ہے، قرآن پاک کے نزدیک بہت بڑی آیت ہے اللہ کی۔" (تشکیلِ جدید۔ص۔۱۶)

اس موقع پر علامہ نے سورہ نور کی آیت نمبر ۴۴ پیش کی ہے :

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (٤٤)

ترجمہ: اور خدا ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ اہلِ بصارت کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے ۔ (۲۴۔۴۴)

ا۔ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے کہ رات ختم ہوئی اور دن آیا اور دن پورا کیا تو رات کو لایا ان تمام مذکورہ بالا چیزوں میں دین میں سمجھ اور بصیرت رکھنے والوں یا صرف

Marfat.com

آنکھوں سے دیکھنے والوں کے لیے استدلال کا موقع ہے۔ (تفسیر ابن عباس، ترجمہ محمد سعید عاطف، مکی دارلکتب، لاہور، جلد دوم۔ص، ۳۶۵۔)

۲۔ اسی طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لانا بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے، کسی کی طاقت نہیں کہ رات میں دن ظاہر کر دے یا دن میں رات نمودار کر دے یا ان کی آمد وشد میں منٹ یا سیکنڈ کا فرق ہی پیدا کر دے۔ فرمایا کہ ان تمام باتوں کے اندر جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اہلِ نظر کے لیے بڑا سامان عبرت ہے۔ (تدبر قرآن۔ جلد پنجم۔ص۔۴۲۱)

۳۔ یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت اور عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہِ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع کرے جس کے قبضہ قدرت میں ان تمام تصرفات اور تقلبات کی باگ ہے (تفسیر عثمانی۔ص۔۴۷۵)

دعوتِ تسخیر کائنات

> ''دراصل زمان و مکان کی یہ عظیم وسعت اس امر کی منتظر ہے کہ انسان کا دست تسخیر اسے پورے طور پر مسخر کرے، اس کا فرض ہے آیات الٰہی پر غور کرے اور اس طرح ان ذرائع کی تلاش میں قدم اُٹھائے جن کی بدولت وہ فی الحقیقت فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔'' (تشکیلِ جدید۔ص۔۱۶)

اگر چہ قرآن پاک میں جا بہ جا تسخیرِ کائنات کی دعوت دی گئی ہے۔ تاہم علامہ اقبال نے یہاں دو الگ الگ آیات پیش کی ہیں جو سورہ لقمان اور سورہ النحل سے ہیں۔ پہلے سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۰ :

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَلَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ط وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا ھُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ (۲۰)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

Marfat.com

سب کو خدا نے تمھارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب۔ (۳۱۔۲۰)

یعنی ایسے کھلے انعام اور احسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی واحدانیت میں اس کے شیوون وصفات میں یا اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں، نہ کوئی عملی، عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ، محض باپ دادا کی اندھی تقلید ہے۔ (تفسیر عثمانی۔ص، ۵۴۹)

کسی چیز کو کسی کے لیے مسخر کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کے تابع کر دی جائے اور اسے اختیار دے دیا جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ دوسری یہ کہ اس چیز کو ایسے ضابطہ کا پابند کر دیا جائے جس کی بدولت وہ اس شخص کے لیے نافع ہو جائے اور اس کے مفاد کی خدمت کرتی رہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک معنی میں مسخر نہیں کر دیا، بل کہ بعض چیزیں پہلے معنی میں مسخر کی ہیں اور بعض دوسرے معنی میں، مثلاً ہوا، پانی، مٹی، آگ نباتات اور معدنیات، مویشی وغیرہ، بے شمار چیزیں پہلے معنی میں ہمارے لیے مسخر ہیں اور چاند سورج وغیرہ دوسرے معنی میں۔ (تفہیم القرآن۔ جلد چہارم ص ۱۹۔۲۰۔)

اسی حوالے سے علامہ نے سورہ النحل کی بارہویں آیت بھی درج کی ہے :

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لا وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۱۲) لا

ترجمہ: اور اسی نے تمھارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں، سمجھنے والوں کے لیے اس میں (قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۱۶۔۱۲)

رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ

Marfat.com

سکون و آرام حاصل کرسکیں، اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے چھپتے ہیں رات اور دن کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ساتھ انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں بل کہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدوں انسان کی زندگی محال ہے، خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور ستاروں کا ان کے مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں میں لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سی سستی یا سرتابی کرسکیں۔ (تفسیر عثمانی۔ ۳۵۵)

ان چیزوں کو خدا نے تمھاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا رکھا ہے لیکن عجیب ماجرا ہے کہ خدا نے تو ان چیزوں کو تمھاری خدمت میں سرگرم کیا کہ تم اس کے شکر گزار بنو اور اس بات کو یاد رکھو کہ جس نے انسان کی نفع رسانی کے لیے اپنی یہ شانیں اور قدرتیں دکھائی ہیں وہ اس کو غیر مسئول اور مطلق العنان نہیں چھوڑے گا۔،، (تدبر قرآن، جلد چہارم۔ ص۔ ۳۹۶)

مدارج حیات میں انسان کا درجہ

کائنات کی اس ماہیت اور حقیقت کو بیان کرنے کے بعد علامہ نے خود انسان کی طرف توجہ کی ہے کہ :

> ''اس کائنات میں اور مدارجِ حیات میں خود انسان کی حقیقت کیا ہے، لیکن اگر یہ ماہیت ہے کائنات کی اور کچھ اس قسم کی توقعات میں جو ہم اس سے وابستہ کرسکتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان جس کو اس نے چہار طرف سے گھیر رکھا ہے، حقیقت کیا ہے، اپنی صلاحیتوں میں توافق و تطابق کے باوجود وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا درجہ مدارج حیات میں بڑا اپست ہے علیٰ ہذا یہ کہ اسے قدم قدم پر متزاحم قوتوں نے گھیر رکھا ہے۔'' (تشکیلِ جدید۔ ص۔ ۱۷)

علامہ نے یہاں سورہ والتین کی آیت نمبر ۴، ۵۔ پیش کی ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (٤) ز ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (٥)

Marfat.com

ترجمہ: کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا، پھر (رفتہ رفتہ)
اس (کی حالت کو بدل کر) پست سے پست کر دیا (۹۵۔۴،۵)

ا۔ ابنِ جریر نے عوفی کے طریق سے حضرت عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ وہ لوگ جو حضور کے زمانے میں ذلیل ترین عمر کو پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان کی عقلیں جا چکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر نازل فرمایا کہ جو حضرات عقلیں زائل ہونے سے پہلے عملِ صالح کر چکے ہیں ان کے لیے اَجر ہے۔ (تفسیر ابن عباس۔ جلد سوم، ص،۴۸۳)

۲۔ لیکن جو انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا، جو اپنی عدیم النظیر صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے۔ جو عقل وفہم کے سارے چراغ گل کر دیتا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے، اپنے خالق ورازق کی فرماں برداری سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کے رسول کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے تو اس جرم کی سزا بڑی سخت دی جاتی ہے وہ بے شعور اور بے سمجھ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۶۰۷)

۳۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ فرق اس آیت وحدیث میں اتنا ہے کہ آیت میں انسان کو افضل بنا دینے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ (تفسیر مظہری۔ جلد ۱۲۔ ص ۳۰۳)

۴۔ یعنی یہ سب مقامات متبرکہ کہ جہاں ایسے ایسے الوالعزم پیغمبر اُٹھے۔ گواہ ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا اور کیسی قوتیں اور ظاہری اور باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں اگر اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں پر گوئے سبقت لے جائے بل کہ مسجودِ ملائکہ بنے۔ (تفسیر عثمانی۔ ص ۷۹۶)

اس حوالے سے ایم سعید شیخ نے سورہ المعارج کی آیت نمبر ۱۹ کا حوالہ بھی دیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (۱۹)

Marfat.com

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔(۷۰۔۱۹)

امانت کا تصور

انسان کے مقام و مرتبے کے حوالے سے علامہ مزید لکھتے ہیں :

''اور اس ماحول میں اس کی حالت کیا ہے، ایک بے چین ہستی جو اپنے مقصود و منتہا کی طلب میں دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے اور اظہار ذات کے نئے نئے مواقع کی تلاش میں بڑی بڑی صعوبتیں اور دکھ درد اٹھانے سے گریز نہیں کرتا، جس کو اپنی سب خامیوں کے باوجود فطرت پر تفوق حاصل ہے کیوں کہ اس کی ذات ایک زبردست امانت کی حامل ہے، وہ امانت جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے، آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں تک نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔''(تشکیلِ جدید۔ص۔۱۷)

اس حوالے سے علامہ نے سورہ احزاب کی آیت نمبر۷۲ کا حوالہ دیا ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا(۷۲)

ترجمہ: ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اس کو اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔(۳۳۔۷۲)

۱۔ اس جگہ امانت سے مراد وہی خلافت ہے جو قرآن مجید کی رو سے انسان کو عطا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو طاعت و معصیت کی جو آزادی بخشی ہے اور اس آزادی کو استعمال کرنے کے لیے بے شمار مخلوقات پر تصرف کے جو اختیارات عطا کیے ہیں ان کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان خود اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار قرار پائے اور اپنے صحیح طرزِ عمل پر اُجر اور غلط پر سزا کا مستحق بنے، یہ اختیارات چوں کہ انسان نے خود حاصل نہیں کیے بل کہ اللہ نے اسے دیے ہیں اور ان کے صحیح و غلط استعمال پر وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہے، اس لیے قرآن مجید میں

Marfat.com

دوسرے مقامات پر ان کو خلافت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں انھی کے لیے امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہ امانت کتنی اور گراں بار ہے اس کا تصور دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آسمان اور زمین اپنی ساری عظمت کے باوجود اور پہاڑ اپنی زبردست جسامت ومتانت کے باوجود اس کو اُٹھانے کی طاقت اور ہمت نہ رکھتے تھے مگر انسان ضعیف البنیان نے اپنی ذرا سی جان پر بھاری بوجھ اُٹھالیا ہے۔

زمین وآسمان پر بارِ امانت کا پیش کیا جانا اور اُن کا اُٹھانے سے انکار کرنا اور ڈر جانا، ہوسکتا ہے لغوی معنوں میں ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بہ طور استعارے کی زبان میں ارشاد ہوئی ہو اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ جو تعلق ہے اسے ہم سمجھ سکتے ہیں نہ جان سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن۔ جلد چہارم ص۔ ۱۳۶)

۲۔ یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان وزمین اور پہاڑوں سے نہ اُٹھ سکتا تھا، اس نادان نازک کندھوں پر اُٹھایا، آسمان بارِ امانت نتواں کشید۔ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش روک کر، آسمان اور زمین وغیرہ میں خواہش کچھ نہیں چاہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں، انسان میں خواہش اور ہے حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کے خلاف اپنے جی کا تھامنا بڑا زور چاہتا ہے، اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی۔ ص، ۵۶۹)

عمومی تصور کے برعکس علامہ کے نزدیک امانت اٹھانا فضیلت کا باعث ہے۔

زندگی کی ابتدا اور دوامی امکانات

”بے شک اس کی (انسان کی) زندگی کا ایک آغاز ہے لیکن اس کا مقدر شاید یہ کہ کائنات میں ایک دوامی عنصر بن جائے۔“ (تشکیلِ جدید ص، ۱۷)

یہاں علامہ نے سورہ قیامہ کی پانچ آیات پیش کی ہیں :

Marfat.com

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (۳۶) اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً
مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (۳۷) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی
(۳۸) فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی (۳۹)
اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ ۦَ الْمَوْتٰی (۴۰)

ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا۔ پھر وہ لوتھڑا ہوا، پھر (خدا نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضا) کو درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد (ایک) عورت۔ کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے۔ (۷۵۔۳۶تا۴۰)

ابنِ جریر نے عوفی کے واسطہ سے حضرت ابنِ عباس سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ علیھا تسعتہ عشرہ۔ تو ابوجہل نے قریش سے کہا کہ تمھاری مائیں تم پر روئیں ابن ابی کبشہ یعنی حضور بتلاتے ہیں کہ جہنم کے خازن انیس ہیں اور تم پوری دنیا ہو، کیا تم میں سے دس آدمیوں سے نہیں ہوسکتا کہ ایک جہنم کے خازن کو پچھاڑ دو، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی بھیجی کہ اس کے پاس جا کر اس سے کہ دیں۔ اولی لك فاولی۔ (تجھ پر افسوس ہے)

۱۔ امام نسائی نے سعید ابن جبیر سے روایت کیا ہے کہ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا تھا یا اللہ نے اس چیز کا حکم دیا تھا، حضرت عباس نے فرمایا کہ آپ نے خود فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کو نازل کر دیا۔۔۔۔ کیا ابوجہل سمجھتا ہے کہ اسے یوں ہی بغیر امر ونہی کے چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا ابوجہل ایک منی کا قطرہ نہ تھا جو عورت کے رحم میں ٹپکایا گیا، پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا، پھر اللہ نے اسے انسان بنایا اور اس کے ہاتھ پیروں اور تمام اعضا کو درست کر کے اس میں روح پھونکی۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد، ص ۴۳۷)

۲۔ تفسیر مظہری میں بھی اس روایت کو بیان کیا گیا ہے (جلد ۱۲۔ ص ۱۵۰)

Marfat.com

انسان ایک تخلیقی فعالیت

علامہ نے تسلسل سے قرآن پاک کی ایسی آیات کے حوالے پیش کیے ہیں، ایسی آیات پیش کی ہیں جن میں کسی نہ کسی طور انسانی فضیلت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے، یا اس کی ذمہ داریوں اور مقام کا اظہار ہوتا ہے، سورہ قیامہ کی آیات پیش کرنے کے بعد علامہ کہتے ہیں :

"جب اس کے گردو پیش کی قوتیں اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں تو وہ ان کو جیسی چاہے شکل دے سکتا ہے اور جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے، لیکن اگر اس کا راستہ روک لیں تو اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ اپنے اعماق وجود میں اس سے بھی ایک وسیع تر عالم تیار کر لے، جہاں اس کو لا انتہا مسرت اور فیضان خاطر کے نئے نئے سرچشمے مل جاتے ہیں۔ اس کی زندگی میں آلام ہی آلام ہیں اور اس کا وجود برگ گل سے بھی نازک بایں ہمہ حقیقت کی کوئی شکل ایسی طاقت ور، ایسی نتیجہ خیز اور حسین و جمیل نہیں جیسی روح انسانی۔ لہذا بہ اعتبار اپنی کہنہ کے جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے، انسان ایک تخلیقی فعالیت ہے۔ ایک صعودی روح جو اپنے عروج و ارتقا میں ایک مرتبہ وجود سے دوسرے میں قدم رکھتا ہے۔" (تشکیلِ جدید۔ ص۔ ۱۸)

یہاں علامہ نے سورہ انشقاق کی آیات ۱۶ تا ۱۹ پیش کی ہیں :

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (١٦) وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (١٧) وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (١٨) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (١٩)

ترجمہ: ہمیں شام کی سرخی کی قسم، اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے ان کی اور چاند کی جب وہ کامل ہو جائے کہ تم درجہ بہ درجہ (رتبہ اعلا پر) چڑھو گے۔ (۸۴۔ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹)

ا۔ علامہ مشرقی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ تم انسانوں کا گروہ (ملاقات رب کی کاوش میں) جس کا ذکر اُوپر ہوا، صحیفہ فطرت کو مکمل طور پر دریافت کے ولولے میں جانکاہ عمل کرنے بل کہ۔۔ زمین و آسمان سے دو بہ دو اور مساویانہ حیثیت سے ملاقات کا رتبہ

Marfat.com

حاصل کرنے کی دھن میں صدیوں تک عمل کرنے کے باعث انسانیت کے ایک طبقے سے بلند تر طبقے تک چڑھتے جاؤ گے (جس طرح کہ شفق کے نمودار ہونے کے بعد شام تمام اشیا پر حاوی ہو کر ان کو اپنے اندر سما لیتی ہے اور پھر چاند آہستہ آہستہ بڑھ کر کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ (احسن تفسیر۔المشرقی۔ص،۹۶۱)

منصور نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ماوسق کا، معنی یہ ہے کہ جس چیز کو رات اپنی لپیٹ میں لے لے اور تاریکی میں چھپا لے، سعید بن جبیر نے کہا رات میں جو کچھ کیا جائے (وسق میں داخل ہے)۔ انسانوں کو خطاب ہے کہ اے انسانو قیامت کی منازل میں تم ایک حال کے بعد دوسرے حال میں اور ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت میں ہو گے، مقاتل نے طبق سے مراد لی ہے موت اور موت کے بعد زندگی، عطا نے دنیوی احوال سے تفسیر کی ہے۔ (تفسیر مظہری۔ جلد ۱۲ص۔۲۳۶)

تقدیر کائنات کی تشکیل میں انسان کی کاوش

انسانی شرف وفضیلت کے حوالے سے علامہ لکھتے ہیں :

''انسان کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ اس عالم کی گہری سے گہری آرزوؤں میں شریک ہو جو اس کے گرد و پیش موجود ہے اور اپنی علیٰ ہذا کائنات کی تقدیر خود متشکل کرے کبھی اس کی قوتوں سے توافق پیدا کرتے ہوئے اور کبھی پوری طاقت سے کام لیتے ہوئے اپنی غرض وغایت کے مطابق ڈھال کر، اس لحظہ بہ لحظہ پیش رس اور تغیر زا عمل میں خدا بھی اس کا ساتھ دیتا ہے لیکن شرط یہ کہ پہل انسان کی طرف سے ہو۔'' (تشکیلِ جدید۔ص۔۱۸)

یہاں علامہ نے قرآن پاک کی سورہ الرعد کی ایک آیت کا ایک حصہ پیش کیا ہے۔

پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے :

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا

Marfat.com

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۱۱)

ترجمہ:اس کے آگے اور پیچھے خدا کے چوکیدار ہیں، جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا اس (نعمت) جو کسی قوم کو حاصل ہے نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔

(۱۳۔۱۱)

اللہ کسی قوم کی امن اور خوش حالی والی حالت میں تبدیلی نہیں کرتے جب تک وہ لوگ شکر خداوندی ترک کر کے اپنی حالت خود تبدیل نہیں کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب اور ہلاکت تجویز کر لیتا ہے تو پھر ان سے فیصلہ خداوندی کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں ہو تی اور اللہ کے سوا پھر کوئی ان سے عذاب خداوندی ہٹانے والا نہیں اور نہ اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ ہے۔(تفسیر ابنِ عباس، جلد دوم۔ص ۱۰۷)

قوموں کے عذاب کے معاملے میں اصل سنت اللہ کی وضاحت فرمادی کہ اللہ تعالیٰ اپنا معاملہ کسی قوم کے ساتھ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرے، جب قوم خود اپنی روش بدل لیتی ہے اور تنبیہ و انذار کے باوجود متنبہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب بھیجتا ہے جس کو کوئی طاقت دفع نہیں کر سکتی ۔۔۔ (تدبر قرآن، جلد چہارم،ص ۲۷۵)

حاصل یہ ہے کہ اللہ کل شانہ کی طرف سے انسانوں کی حفاظت کے لیے فرشتوں کا پہرہ لگا رہتا ہے، لیکن جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اَدا اور اس کی اطاعت چھوڑ کر بد عملی، بدکرداری اور سرکشی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا حفاظتی پہرہ اُٹھا لیتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کا قہر و عذاب اُن پر آتا ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں تغیرِ احوال سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم اطاعت اور شکر گزاری چھوڑ کر اپنے حالات میں بُری تبدیلی پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا طرزِ رحمت اور حفاظت بدل دیتے ہیں۔

(معارف القرآن، جلد پنجم۔ص۔۱۷۱)

Marfat.com

درج بالا آیت کے بعد تشکیل میں جو عبارت ترجمہ کی گئی ہے اس حوالے سے حاشیے میں کسی آیت کا ذکر نہیں تاہم ایم سعید شیخ نے اس کے انگریزی متن کے ساتھ حاشیے میں کچھ آیات کے حوالے دیے ہیں یہاں تشکیل سے اقتباس اور ساتھ آیات کا ترجمہ دیا جاتا ہے :

"لیکن اگر وہ پہل نہیں کرتا، اپنی ذات کے وسعتوں اور گونا گوں صلاحیتوں کو ترقی نہیں دیتا، زندگی کی بڑھتی ہوئی رو کا کوئی تقاضا اپنے اندرون ذات میں محسوس نہیں کرتا تو اس کی روح پتھر کی طرح سخت ہو جاتی ہے اور وہ گر کر بے جان مادے کی سطح پر جا پہنچتا ہے۔ اس کی زندگی، علیٰ ہذا پے بہ پے ترقی پذیر روح کے سفر کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اس حقیقت سے رابطہ پیدا کرے جس نے اس کا ہر چہار طرف سے احاطہ کر رکھا ہے۔"

(تشکیلِ جدید۔ ص ۱۹)

اس موضوع کے حوالے سے ایم سعید شیخ نے درج ذیل مزید آیات کا حوالہ دیا ہے :

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۷۴)

۱۔ پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، گویا پتھر ہیں یا ان سے سخت، اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور نکلتا ان میں سے پانی اور خدا تمھارے عملوں سے بے خبر نہیں۔ (۲۔۷۴)

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۳)

Marfat.com

۲۔ تو ان لوگوں کا عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا ایک حصہ بھی فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو، تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۵۔۱۳)

فَلَوْ لَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (٤٣)

۳۔ تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا ہے کیوں نہیں عاجزی کرتے مگر ان کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان ان کو (نظروں میں) آراستہ کر کے دکھاتا تھا۔ (۶۔۴۳)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٢٢)

۴۔ بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے) پس ان پر افسوس ہے جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں اور یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ (۳۹۔۲۲)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (١٦)

۵۔ کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے

Marfat.com

کے وقت اور (قرآن جو خدائے برحق کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں ،جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئیں پھر ان پر زمانہ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔(۵۷۔۱۶)

انسان کی فضیلتِ علم

''اس زندگی میں علیٰ ہذا پے بہ پے ترقی پذیر روح کے سفر کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس حقیقت سے رابطہ پیدا کرے جس نے اس کا ہر چہار طرف سے احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ رابطے علم کی بدولت قائم ہوتے ہیں اور علم عبارت ہے ادراک بالحس سے، جس سے ہم اپنی عقل وفہم کی مدد سے زیادہ وسعت پیدا کر لیتے ہیں۔ (تشکیلِ جدید۔ص،۱۹)

سورہ البقرہ کی آیات۔۳۰ تا ۳۳ :

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۳۰) وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۳۱) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (۳۲) قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۳۳)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) ایک نائب بنانے والا ہوں،

Marfat.com

انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اور اس نے (آدم کو سب چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان فرشتوں کو سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا اور حکمت والا ہے۔ (تب) خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم تم ان چیزوں کے نام بتاؤ، جب انھوں نے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ کرتے ہو۔

(۲:۳۰،۳۱،۳۲،۳۳)

خود علامہ ان آیات کے حوالے سے کہتے ہیں :

ان آیات میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ انسان کو تسمیہ اشیا کی قدرت حاصل ہے، یعنی وہ ان کے معانی قائم کر سکتا اور معانی قائم کرنا گویا ان کو قابو میں لے آنا ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص،۱۹)

ا۔ اس سے علم فضیلت عبادت پر ثابت ہوتی ہے، دیکھیے عبادت میں ملائکہ اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم، مگر علم میں چوں کہ انسان سے کم ہیں اس لیے مرتبہ خلافت انسان کو ہی عطا ہوا اور ملائکہ نے اس کو تسلیم کر لیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کیوں کہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں ہے البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفت اعلا ہے اس لیے قابلِ خلافت یہی ہوئے کیوں کہ ہر خلیفہ میں مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔

(تفسیر عثمانی، ص۸)

علامہ عنایت اللہ المشرقی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

Marfat.com

۲۔ کائنات کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے پہلی شئے جو جاننے کے لائق ہے یہ ہے کہ انسان کا اس کائنات میں مقام کیا ہے اس مسئلے میں انسان ہزار ہا سال تک صحیفہ فطرت کی مختلف اشیا سے مرعوب ہو کر ان کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ انبیا نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں خدا کے وجود کا احساس دلایا مگر انسان کے سمع و بصر اور ذہن کے ابتدائی حالت میں ہونے کی وجہ سے یہ تخیل اکثر نقش بر آب رہا۔ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی اُمتیں خدا کے وجود سے کافی طور پر آشنا رہیں اور مقدم الذکر نے تو، تورات میں انسان کو خدا کے مماثل بھی کہا، مگر یہ اُمتیں بہت جلد جہالت میں پھنس گئیں اور انسان کا اس کائنات میں صحیح مقام واضح نہ ہو سکا۔ قرآن حکیم نے تمثیلی طرزِ کلام میں انسان کا اس دنیا میں مقام سب سے پہلے بلیغ اور معنی خیز الفاظ میں واشگاف کیا۔

......مراد یہ کہ فرشتوں کے پاس وہ اعضا ہی نہ تھے جس سے فطرت کو سمجھتے، اس لیے خدا کا قائم مقام کیا بنتے ان کو تسلی دی گئی کہ تم اس مرتبے کے لائق نہیں، یہ کم بخت انسان ہی اس کا اہل ہے جو خون گراتا ہے فساد مچاتا رہتا ہے، تم تسبیح و تقدیس میں لگے رہو، کیوں کہ تمھارے پاس نافرمانی کی اہلیت ہی نہیں، یہی صاحبِ ارادہ انسان اس کا اہل ہے کہ میری زمین میں جا کر میرا قائم مقام بنے، وہاں جا کر کچھ سمجھے گا کچھ سوچے گا، تم بے چارے وہاں جا کر کیا کرو گے، غرض فرشتوں کی کوئی بڑی حیثیت انسان کے مقابلے میں نہیں، وہ معلوم ہوتا ہے خدا کی مقرر کردہ بے پناہ قوتیں ہیں جن کے عظیم الشان ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن آنکھ کان اور ذہن جیسے عظیم ہتھیار ان کے پاس نہیں، انسان کی فضیلت انھی اشیا کے باعث ہے جو خلاق فطرت نے ان کو دی ہیں۔ (احسن تفسیر۔ ص۔ ۱۱۔)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو کن کے نام سکھائے، اس سوال کے جواب میں تین قول ہیں، ایک قول ہے کہ اس سے مراد تمام چیزوں کے نام ہیں، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کے نام ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آدم کی ذریت کے نام ہیں۔ اس میں تیسرا قول ہمارے نزدیک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ (تدبر قرآن جلد اول۔ ص ۱۶۰۔ فاران فاونڈیشن۔ طبع ۱۹۹۰ء)

Marfat.com

قرآن میں حقیقت کے قابل مشاہدہ پہلو کی اہمیت

علامہ نے قرآن پاک کی تعلیم اس خصوصیت کو بیان کیا ہے کہ قرآن نے حقیقت کے قبل مشاہدہ پہلو یعنی علم بالحواس کو بہت اہمیت دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"ہمیں کہنا چاہیے کہ علم انسانی کی نوعیت تصوری ہے اور تصوری علم کا یہی حربہ ہے جسے لے کر انسان حقیقت مطلقہ کی سری یا قابل مشاہدہ پہلو کی طرف قدم بڑھاتا ہے، چناں چہ تعلیمات قرآنی کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے حقیقت کے اس پہلو کا جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے بے حد اہمیت دی ہے ہم اس سلسلے میں چند آیات پیش کریں گے۔" (تشکیل جدید۔ص ۲۰) (یہاں علامہ نے قرآن مجید کے چار مقامات سے آیات پیش کی ہیں۔)

سب سے پہلے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ :

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ(۱٦٤)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں، کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جسے خدا آسمان سے برساتا ہے اور زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز کردیتا ہے) اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں ہواوں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے

Marfat.com

ہیں عقل مندوں کے لیے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (۲۔۱۶۴)

۱۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن اور فریابی نے اپنی تفسیر اور امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں ابوالضحیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت۔ ''الھکم الہ واحد''۔ نازل ہوئی تو مشرکین نے اظہارِ تعجب کیا اور کہنے لگے وہ واحد ولاشریک ہے، اگر وہ قول میں سچا ہے تو کوئی دلیل لائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری۔ (تفسیر ابن عباس۔ ص۔ ۹۶)

۲۔ یعنی آسمان کے اس قدر وسیع اور اُونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا کرنے اور اس کے پانی پر پھیلانے اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور ان کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے میں اور آسمان سے پانی برسانے اور اس سے زمین کو سرسبز وتر وتازہ کرنے میں اور جملہ حیوانات میں اس سے توالد وتناسل نشوونما ہونے میں اور جہات مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمہ اور کثیرہ ہیں۔ حق تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر ان کے لیے جو صاحبِ عقل وفکر ہیں۔ (تفسیر عثمانی، ص ۳۱)

۳۔ اس کے بعد حق تعالیٰ کے واحد حقیقی ہونے پر تکوینی علامات و دلائل بتلائے گئے ہیں جن کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے دائمی انقلاب اس کی قدرت کاملہ اور توحید کے واضح دلائل ہیں کہ ان چیزوں کی پیدائش و بقا میں کسی دوسری ہستی کا دخل نہیں، اس طرح پانی پر کشتیوں کا چلنا ایک بڑی آیت قدرت ہے کہ پانی کو حق تعالیٰ نے ایسی جوہر سیال بنا دیا کہ اس کی پیٹھ پر لاکھوں من وزنی جہاز بڑے بڑے وزن کو لے کر مشرق سے مغرب منتقل کر دیتے ہیں اور ان کو حرکت میں لانے کے لیے ہواوں کا چلانا اور اپنی حکمت کے ساتھ ان کے رخ بدلتے رہنا یہ سب اس کا پتہ دیتے ہیں کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا کوئی علیم وخبیر ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۵۱)

دوسری سورہ انعام کی آیات ۹۷ تا ۹۹ ہیں :

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ

Marfat.com

الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۹۷) وَهُوَ
الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ط قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ (۹۸) وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ
الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَ يَنْعِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۹۹)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے راستے معلوم کرو۔ عقل والوں کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کر بیان کردی ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر (تمھارے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی سمجھنے والوں کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کر بیان کردی ہیں۔ اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے، پھر ہم ہی ہیں (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اُگاتے ہیں پھر اس میں سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے لٹکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے، یہ چیزیں جب پھلتی ہیں اور ان پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو ان میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت کی بہت سے) نشانیاں ہیں۔ (۶:۹۷-۹۹)

تفسیر۔ا۔اس رکوع میں حقِ تعالیٰ کے جن افعال وصفات اور مظہر قدرت کا بیان ہوا ہے ان سے خدا کے وجود کی واحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے، لیکن

Marfat.com

غور کیا جائے تو وحی و نبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے، کیوں کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہماری دنیوی زندگی مادی حوائج کے انتظام و انصرام کے لیے اس قدر ارضی و سماوی اسباب مہیا فرمائے ہیں تو یہ کہنا کس قدر لغو اور سراسر غلط ہوگا کہ ہماری حیات اخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا کوئی سامان نہیں کیا۔ یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کے نشو نما کے لیے آسمان سے پانی اُتارا ہے، ہمارے روحانی تغذیہ کے لیے بھی سحاب ہائے نبوت سے وحی والہام کی بارش نازل فرمائی ہے، جب وہ بحر وبر کے اندھیروں میں ستاروں کے ذریعہ راہ نمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی راہ نمائی کے لیے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔

بے شک روحانی طور پر بھی بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مردہ اور مردہ سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے اور جس طرح اس نے ہماری دنیوی زندگی کے مستقر و مستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے، حیات اخروی کے مستقر اور مستودع کے سامان بھی اس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ یہیں یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اس کے کاموں سے پہچانتے ہیں، یعنی جو کام وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اُسی طرح خدا کا کلام وہی ہو سکتا ہے کہ جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے۔

(تفسیر عثمانی ص ۱۸۷)

تیسرے نمبر پر علامہ نے سورہ فرقان کی آیت نمبر ۴۵ اور ۴۶ کا حوالہ دیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا (۴۵) لا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۴۶)

ترجمہ: بل کہ تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا پھر سورج کا اس کا راہ نما بنا دیتا ہے پھر ہم اس کو آہستہ

Marfat.com

آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ (۲۵۔۴۵،۴۶)

۱۔ ''اے مخاطب کیا تو نے اپنے پروردگار کی قدرت وصنعت پر نظر نہیں کی کہ وہ صبحِ صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مشرق سے مغرب تک کس طرح سایہ کو پھیلاتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس سایہ کو ہمیشہ ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا کہ آفتاب کی بلندی کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس کے سایہ کی درازی وکوتاہی پر ایک ظاہری علامت مقرر کر دیا کہ جہاں سورج ہوتا ہے سایہ فوراً اس کے ساتھ ہوتا ہے پھر ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا۔'' (تفسیر ابن عباس۔ جلد دوم، ص ۳۸۷)

۲۔ صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے، اگر حقِ تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج کو نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوتی ہے اور سایہ بہ تدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا، اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ ہی نہ سکتے کیوں کہ ایک ضد آنے سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔۔۔۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ ہٹتا جاتا ہے جب تک جڑ میں آ لگے۔ اپنی طرف کھینچ لیا کا مطلب ہے اپنی اصل کو جا لگتا ہے سب کی اصل اللہ ہے۔۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۸۵)

چوتھی سورہ الغاشیہ کی آیات ۱۷ تا ۲۰ ہیں جن کا حوالہ علامہ نے دیا ہے :

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (۱۷) وقفہ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ (۱۸) وقفہ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وقفہ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ (۲۰)

ترجمہ: یہ لوگ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

(۸۸۔۱۷ تا ۲۰)

Marfat.com

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے (اس سورت میں بیان کی گئی) یہ چیزیں بیان کیں تو مکہ والے بولے کہ اپنی رسالت پر کوئی دلیل پیش کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مکہ والو اونٹ کی ساخت اور اس کی شدت اور قوت کو نہیں دیکھتے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق پر کس طرح بلند کیا گیا ہے، اور پہاڑوں کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ کس طرح انھیں زمین میں قائم کیا گیا ہے کہ کوئی چیز بھی انھیں حرکت نہیں دے سکتی اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پانی پر بچھائی گئی ہے یہ سب نشانیاں ہیں۔ (تفسیر ابنِ عباس۔ جلد سوم، ص ۴۷۰)

اس کے بعد سورہ روم کی آیت نمبر ۲۱ درج کی گئی ہے :

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۱)

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۳۰۔۲۱)

یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اس کے اندر سے ایک جوڑا نکالا تا کہ اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا تا مقصود ازدواج حاصل ہو چناں چہ دونوں کے میل جول سے نسلِ انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ (تفسیر عثمانی، ص ۵۴۱)

قرآن پاک کی مختلف سورتوں سے گیارہ آیات پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ قرآن مشاہدے اور اپنے اردگرد موجود عالم پر غور و فکر کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ یہ آیات پیش کرنے کے بعد علامہ کہتے ہیں :

''اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے فطرت کے مشاہدے میں غور و فکر کی ترغیب دلائی تو اس لیے کہ ہم اس حقیقت کا شعور پیدا کریں جس

Marfat.com

کی عالمِ فطرت کو اس نے ایک آیت ٹھہرایا ہے، لیکن یہاں توجہ طلب امر قرآن مجید کی وہ اختباری (یعنی حواس سے کام لیتے ہوئے مظاہر و موجوداتِ عالم کے مطالعے اور مشاہدے) روش ہے جس سے مسلمانوں کے اندر عالم واقعیت کا احترام پیدا ہوا اور جس کی بدولت آگے چل کر انھوں نے علوم جدیدہ کی بنیاد ڈالی۔" (تشکیلِ جدید۔ص۔۲۱)

آگے چل کر علامہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اتنا بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذاتِ الٰہیہ کے ادراک میں بنی نوع نے سب سے پہلے مذہبی مشاہدات کا۔ محسوسات و مدرکات کے دوسرے عوالم کی طرف بعد میں قدم بڑھایا۔ قرآن مجید نے انسان کی اختباری روش کو اس کی روحانی زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ ٹھہرایا اور اس لیے محسوسات و مدرکات کے ہر عالم کو یکساں اہمیت دی کیوں کہ وہ حقیقت مطلقہ کے علم و ادراک کا جس کی آیاتِ ظاہر و باطن ہر کہیں موجود ہیں ایک ذریعہ ہیں۔" (تشکیلِ جدید۔ص۲۲)

اس موضوع پر قرآن پاک میں متعدد آیات موجود ہیں :

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳)

۱۔ ہم عن قریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے، کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے (۴۱۔۵۳)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۲۰) ۙ وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۲۱)

۲۔ اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں، خود تمھارے نفوس میں۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ (۵۱۔۲۰،۲۱)

Marfat.com

ادراک بالحواس کے ساتھ قلب کی اہمیت

''قرآن پاک کی فطرت پسندی محض اس امر کا اعتراف ہے کہ انسان فطرت سے وابستہ ہے اور یہ وابستگی چوں کہ امکانی ذریعہ ہے قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کرنے کا اس لیے ہمیں چاہیے اس کا استعمال بے روح تغلب کے بجائے اس مقصد عظیم کے لیے کریں کہ ہمیں اپنی روحانی زندگی میں آزادی کے ساتھ مدارج کمال کی طرف بڑھنا ہے، یہی وجہ ہے کہ حقیقت مطلقہ کے تمام وکمال لقا کی خاطر ادراک بالحواس کے ساتھ ساتھ اس چیز کے مدرکات کا اضافہ بھی ضروری ہے جسے قرآن پاک نے فواد یا قلب سے تعبیر کیا ہے۔'' (تشکیلِ جدید۔ص۔۲۳)

اس عبارت کے حوالے سے علامہ نے قرآن پاک کی سورت حٰم السجدہ کی آیات ۷، ۸، ۹ پیش کی ہیں :

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۷) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (۸) ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (۹)

ترجمہ: جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی پھر اس کو درست کیا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور تمھارے کان آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

(۳۲۔ ۷، ۸، ۹)

ان آیاتؑ کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں، یہ ایک لطیف اندازِ بیان ہے روح پھونکنے سے پہلے انسان کا سارا ذکر صیغہ واحد میں کیا جاتا رہا، اس کی تخلیق کی اس کی نسل چلائی اس کو نک سک درست کیا، اس کے اندر روح پھونکی اس لیے کہ اس وقت تک وہ خطاب کے

Marfat.com

لائق نہ تھا، پھر جب روح پھونک دی گئی تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم کو کان دیئے تم کو آنکھیں دیں، تم کو دل دیے اس لیے کہ حامل روح ہو جانے کے بعد ہی وہ اس قابل ہوا کہ اسے مخاطب کیا جائے۔

کان اور آنکھوں سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے، اگر چہ حصولِ علم کے ذرائع ذائقہ، لامسہ اور شامعہ بھی ہیں، لیکن سماعت و بینائی تمام دوسرے حواس سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں اس لیے قرآن جگہ جگہ انھی دو کو خدا کے نمایاں عطیوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اس کے بعد دل سے مراد وہ ذہن (mind) ہے جو حواس کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات مرتب کر کے نکالتا ہے اور عمل کی مختلف امکانی راہوں میں سے کوئی ایک راہ منتخب کرنا اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد چہارم۔ ص۔۴۲،۴۳)

قلب کو قوتِ دید حاصل ہے

'' قلب کو ایک طرح کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہیے جس کی پرورش مولانا روم کے دل کش الفاظ میں نورِ آفتاب سے ہوتی ہے اور جس کی بدولت ہم حقیقت مطلقہ کے ان پہلوؤں سے اتصال پیدا کر لیتے ہیں جو ادراک بالحواس سے ماورا ہیں۔ قرآن مجید کے نزدیک قلب کو قوتِ دید حاصل ہے اور اس کی اطلاعات، بشرطیکہ ان کی تعبیر صحت کے ساتھ کی جائے کبھی غلط نہیں ہوتیں۔'' (تشکیلِ جدید ص ۲۳)

اس حوالے سے ایم سعید شیخ نے قرآن پاک کی ایک آیت کا حوالہ دیا ہے :

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۱) اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۱۲)

ترجمہ: جو کچھ انھوں نے دیکھا ان کے دل نے جھوٹ نہ جانا، کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔ (۵۳۔۱۱،۱۲)

یہاں آگے بڑھتے ہوئے ایک اور آیت کا حوالہ دیا گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں

Marfat.com

کہ وہ کوئی پُراسرار قوت ہے اسے دراصل حقیقت مطلقہ تک پہنچنے کا وہ طریق ٹھہرانا چاہیے جس میں بہ اعتبار عضویات حواس کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔ (تشکیل ص ۲۳) اس موقع پر انگریزی خطبات میں سورہ الحج کی آیت نمبر ۴۶ کا حوالہ دیا گیا۔ (لیکن بہ ظاہر وہ اس سے متعلق نظر نہیں آتی)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (٤٦)

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ملک کی سیر نہیں کی تا کہ ان کے دل (ایسے ہوتے) کہ ان کو سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سُن سکتے، بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بل کہ دل جو سینوں میں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔

(۲۲۔۴۶)

وارداتِ تصوف۔ خدا کی ہستی کا ثبوت۔ اس کا جواب

فواد یا قلب کی بحث میں علامہ نے صوفیانہ احوال وواردات کو موضوع بنایا ہے اور صوفیانہ واردات اور مراتب کو طبعی احوال کی طرح حقیقی قرار دیا ہے۔

''اس امر کا بھی کوئی جواز نہیں کہ ہم اپنے محسوسات و مدرکات طبعی مرتبے کو تو حقیقی لیکن باقی مراتب کو صوفیانہ یا جذباتی ٹھہرا کر نا قابلِ اعتنا قرار دیں۔ مذہبی مشاہدات کے حقائق بھی ویسے ہی حقائق ہیں جیسے ہمارے مشاہدات کے حقائق اور جہاں تک کسی حقیقت کی تعبیر سے حصولِ علم کا امکان ہے ہمارے لیے سب حقائق یکساں طور پر اہم ہیں۔''

(تشکیلِ جدید۔ ص۔۲۴)

علامہ نے اس موقع پر ابن صیاد کے حوالے سے احادیث میں بیان کردہ واقعے کا بھی تجزیہ کیا ہے اور پھر صوفیانہ مشاہدات کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔ صوفیانہ مشاہدات میں حضوریت

Marfat.com

ہے اور یہ ناقابلِ تجزیہ کلیت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ صوفی کا حال کسی برتر و یکتا ہستی کے ساتھ اتحاد کا ایک لمحہ ہوتا ہے اور خدا کی ہستی کے وجود کے بارے میں صوفیانہ تجربے کے حوالے سے علامہ فرماتے ہیں :

''جواب ہی بلاشبہ کسی صاحب شعور ہستی کی موجودگی کا ثبوت ہے اور قرآن پاک کا بھی یہی ارشاد ہے'' (تشکیلِ جدید۔ص۔۲۹۔)

یہاں علامہ نے سورہ مومن کی آیت نمبر ۶۰ کا ایک حصہ اور پھر سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۶ کا ایک حصہ پیش کیا ہے۔ پوری آیات کا ترجمہ یوں ہے :

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (۶۰)

ترجمہ : اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے ازرہ تکبر کنیاتے ہیں عن قریب جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے۔(۴۰۔۶۰)

دوسری آیت سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۶ ہے :

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (۱۸۶)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک راستہ پائیں۔(۲:۱۸۶)

پہلی یعنی سورہ مومن کی آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں :

۱۔ یعنی دعائیں قبول کرنے یا نہ کرنے کے جملہ اختیارات میرے پاس ہیں لہٰذا تم

Marfat.com

دوسروں سے دعائیں نہ مانگو بل کہ مجھ سے مانگو، اس آیت کی روح کو ٹھیک سمجھنے کے لیے تین باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیں۔

اول یہ کہ دعا آدمی صرف اُسی ہستی سے مانگتا ہے جس کو وہ سمیع و بصیر اور فوق الفطری اقتدار کا مالک سمجھتا ہے اور دعا مانگنے کا محرک دراصل آدمی کا یہ اندرونی احساس ہوتا ہے کہ عالم اسباب کے تحت فطری ذرائع اور وسائل اس کی تکلیف کو رفع کرنے یا کسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں یا کافی ثابت نہیں ہو رہے اس لیے فوق الفطری اقتدار کی مالک کسی ہستی سے رجوع ناگزیر ہے۔ دوسری بات جو اس سلسلے میں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی ہستی کے متعلق آدمی کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ اختیارات کی مالک ہے اس سے لازم نہیں آجاتا کہ فی الواقع اختیارات کی مالک ہو جائے۔ مالک اختیارات ہونا تو امر واقعی ہے جو کسی کے سمجھنے یا نہ سمجھنے پر موقوف نہیں جو درحقیقت اختیارات کا مالک ہے مالک رہے گا، خواہ آپ مالک سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے مانگنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص درخواست لکھ کر ایوانِ حکومت کی طرف جائے مگر اصل حاکم ذی اختیار کو چھوڑ کر وہاں جو دوسرے سائلین اپنی حاجتیں لیے بیٹھے ہیں انھی میں سے کسی ایک کے آگے اپنی درخواست پیش کر دے اور پھر ہاتھ جوڑ جوڑ کر التجائیں کرتا چلا جائے کہ حضور ہی سب کچھ ہیں۔

ان تین باتوں کو ذہن میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ مجھے پکارو، تمھاری دعاؤں کا جواب دینے والا ہوں انھیں قبول کرنا میرا کام ہے۔ (تفہیم القران، جلد چہارم، ص۔ ۴۲۱)

سورہ البقرہ کی آیت ۱۸۶ کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

۱۔ آپ سے بعض نے پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کریں، اس پر یہ آیت اُتری یعنی وہ قریب ہے ہر ایک کی بات سنتا ہے آہستہ ہو یا پکار کر۔۔۔۔ (تفسیر عثمانی، ص ۳۶)

پچھلی تین آیتوں میں روزہ اور رمضان کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا اور اس کے

Marfat.com

بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے۔ درمیان کی اس مختصر آیت میں بندوں کے حال پر حق تعالیٰ کی خاص عنایت، ان کی دعائیں سننے اور قبول کرنے کا ذکر فرما کا اطاعتِ احکام کی ترغیب دی گئی ہے۔

۲۔ اور ان حالات میں بندوں کو بھی چاہیے کہ میرے احکام کی تعمیل میں کچھ مشقت بھی ہو تو برداشت کریں۔ چناں چہ ارشاد فرمایا اور امام ابنِ کثیر نے اس درمیانی جملہ ترغیب دعا کی یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس آیت نے اشارہ کر دیا کہ روزہ کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد اول۔ ص۔ ۳۹۵)

صوفیانہ (روحانی) تجربہ کی تعبیر

''بہ اعتبار نوعیت صوفیانہ مشاہدات چوں کہ براہِ راست ہی تجربے میں آتے ہیں لہٰذا ان مشاہدات کو دوسروں تک جوں کا توں پہنچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ فکر کے بجائے زیادہ تر احساس کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا صوفی یا پیغمبر جب اپنی مذہبی شعور کی تعبیر الفاظ میں کرتا ہے تو اسے منطقی قضایا ہی کی شکل دے سکتا ہے، یہ نہیں کہ اس کا مشمول من وعن دوسروں تک منتقل کر سکے۔ چناں چہ ذیل کی آیات میں بھی جس حقیقت کا بیان مقصود ہے وہ ان مشاہدات کی نفسیات ہے نہ کہ ان کا مشمول۔''

(تشکیلِ جدید۔ ص۔ ۳۰)

علامہ اقبالؔ نے اس عبارت کے بعد جو آیات پیش کی ہیں وہ سورہ الشعرا کی آیت نمبر ۵۱۔ اور سورہ والنجم کی آیات ۱ تا ۱۸ ہیں۔

سورہ الشعرا کی آیت :

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۵۱)

Marfat.com

ترجمہ: اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو چاہے القا کرے، بے شک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے۔

(۴۲-۵۱)

تفسیر: اور کسی آدمی کی یہ شان نہیں کہ روبرو ہو کر اللہ تعالیٰ سے کلام فرمائے مگر یہ تو الہام سے خواہ خواب میں ہو یا پردے کے باہر سے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کلام فرمایا تھا یا کسی فرشتے کو بھیج دے وہ اللہ کے حکم سے جو امر و نہی ہوتا ہے وہ پیغام پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل امین کو بھیجا وہ بڑا عالی شان اور اپنے حکم، فیصلہ میں حکمت والا ہے۔ (تفسیر ابنِ عباس۔ جلد سوم۔ ص۔۲۰۳)

تفسیر: کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہتہ کلام فرمائے اور وہ اس کا تحمل کر سکے۔ اس لیے کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں (الف) بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ وعلیہ وسلم کو لیلتہ الاسراء میں پیش آیا۔ (ب) بہ واسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بل کہ براہِ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صورت کا ہوتا ہو۔ حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے...... (ج) تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے، چناں چہ جبریل ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور کے پاس آئے...... (تفسیر عثمانی۔ ص۔۶۵۰)

سورہ والنجم کی آیات کا ترجمہ:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (١) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (٢)

Marfat.com

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (٤)
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (٥) ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى (٦) وَهُوَ بِالْاُ
فُقِ الْاَعْلٰى (۷) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (۸) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ
اَدْنٰى (۹) فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (۱۰) مَا كَذَبَ
الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۱) اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۱۲) وَلَقَدْ
رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (۱۳) عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (١٤) عِنْدَهَا
جَنَّةُ الْمَاْوٰى (۱٥) اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (١٦) مَا
زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۱۷) لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ
الْكُبْرٰى (۱۸)

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے کہ تمھارے رفیق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا (یعنی جبرائیل طاقت ور) پھر وہ یوں نظر آئے اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے پھر وہ قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم، پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا، جو کچھ انھوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا، کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو اور انھوں نے اس کو ایک اور بار دیکھا ہے میرے حد کی بیری کے پاس، اس کے پاس رہنے کی بہشت ہے جب کہ اس بیری پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا، ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی انھوں نے پروردگار (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (۵۳۔ ۱ تا ۱۸۔)

یہ بیان ہے ان مشاہدات کا جو اس موقع پر نبی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کو ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا ان نشانیوں کی تفصیل نہیں فرمائی کہ نہ الفاظ

Marfat.com

ان کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ وہ ہماری عقل کی گرفت میں آسکتیں، تاہم لفظ کبری دلیل ہے کہ یہ نشانیاں ان نشانیوں سے بالاتر نہیں جن کا مشاہدہ انفس و آفاق میں ہر قدم پر ہر صاحب نظر کو ہوتا رہتا ہے۔ مفسرین نے ان سے وہ مشاہدات مراد لیے ہیں جو حضور کو معراج کے موقع پر ہوئے ان کی اس رائے کے حق میں یہ قرینہ موجود ہے کہ سورہ اسراء میں ذکر ہے کہ اس موقع پر آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کے مشاہدے کیے، تاہم یہ امر ملحوظ رہے کہ آپ کو مشاہدہ صرف اپنے رب کی نشانیوں ہی کا ہوا، خود خدا تعالیٰ کے مشاہدے کا یہاں کوئی اشارہ نہیں۔ (تدبر قرآن۔ جلد ششم۔ ص ۵۷)

وارداتِ تصوف اور شیطانی افترا

علامہ نے صوفیانہ احوال و واردات کی علمی حیثیت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کے نزدیک یہ بھی اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہیں اور ہم ان سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ تاہم صوفیانہ واردات شیطانی افترا میں فرق رکھنا ضروری ہے بالخصوص عیسوی تصوف کو ہمیشہ یہ مسئلہ درپیش رہا ہے۔

> ''جہاں تک حصولِ علم کا تعلق ہے صوفیانہ مشاہدات کی دنیا ایسی ہی حقیقی اور معتبر ہے جیسے ہمارے مشاہدات کا کوئی اور عالم، لہٰذا ان کو محض اس بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان مشاہدات کی ابتدا اور اک بالحس سے نہیں ہوتی۔''
> (تشکیلِ جدید۔ ص۔ ۳۴)

> ''تاریخ میں یہ عقدہ لاینحل رہا ہے کہ ہم ان واردات اور ان پیغامات کو جن کی حیثیت خدائی معجزات کی تھی، ان واردات اور مشاہدات سے کس طرح الگ کریں جن کو شیطان محض عداوت کی بنا پر افترا کر لیتا ہے کہ طالبِ حق کو دوگونہ جہنم کا مستحق ٹھہرائے، اس کے لیے ہادیان نوع انسانی کو ساری فراست، بصیرت اور دانائی سے کام لینا پڑا، مگر فیصلہ ہوا تو آخر الامر ہمارے اختیاری معیار ہی کی بدولت اور وہ یوں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا

Marfat.com

ہے نہ کہ جڑ سے۔ دراصل مسیحی تصوف کا مسئلہ جس کی طرف پروفیسر ولیم جیمز نے اشارہ کیا ہے سارے تصوف کا مسئلہ ہے۔ شیطان واقعی اپنی عداوت میں ایسی واردات افترا کر لیتا ہے جو صوفیانہ مشاہدات کے حلقے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ (تشکیلِ جدید ص ۳۵)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (٥٢)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے خدا اس کو دور کر دیتا ہے، پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا علم والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۲۔۵۲)

اس آیت کے حوالے سے مفسرین میں اختلاف ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کی روایت بیان کی گئی ہے جس میں قصہ غرانیق بیان کیا گیا ہے بیش تر مفسرین کے نزدیک یہ قصہ درست نہیں ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں ان تمام تفصیلات سے بحث کرتے ہیں اور اپنی تفسیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے، یعنی تمنی کو بمعنہ قرات وتلاوت یا تحدیث اور امنیت کو بمعنی متلو یا حدیث لیا جائے، مطلب یہ کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے، یعنی بعض باتوں کے متعلق لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک شبہات پیدا کر دیتا ہے۔

اس القا شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک وشبہ کی قطعاً

Marfat.com

گنجائش نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۵۰)

یہاں ہدایت و اصلاح کی راہ میں نبی کے اقدام کو تمنی اور اس کی سعی و جدوجہد کو امنیتہ سے تعبیر فرمایا ہے ''امنیتہ'' معنی آرزو، حوصلہ اور ارمان کے ہیں، ان الفاظ کے استعمال سے مقصود اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کی تمنا اور آرزو تو روز و شب یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی ہدایت اور اس کی باتیں (آیات) اُتارنے کی کوئی راہ کھلے اور وہ یہ راہ کھولنے کے لیے طرح طرح کے جتن کرتا رہتا ہے لیکن شیاطین ہر وقت یہ راہ مارنے کے لیے گھات میں رہتے ہیں۔ (تدبر قرآن۔ جلد پنجم۔ص۔۲۶۹)

◆◆◆

Marfat.com

خطبہ دوم

مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار

The Philosophical Test of the Revealation of Religious Experience

اس خطبے کی ابتدا میں علامہ نے وجودِ باری تعالیٰ پر متکلمین کی تین دلیلوں یعنی کونی، غائی اور وجودی کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ تینوں دلیلیں علامہ کے نزدیک نقص سے خالی نہیں ہیں تینوں دلیلوں سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ عقلِ انسانی نے ذاتِ مطلق کی جستجو کے لیے حقیقی طور پر تحریک کی لیکن منطقی اعتبار سے تینوں ناقص ہیں۔ گویا عقل نے ان کے لیے جو اساس قائم کی ہے وہ عقل ہی کے اوزاروں سے منہدم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد علامہ نے محسوسات و مدرکات کے تین مراتب یعنی مادہ، حیات اور شعور پر بحث کے لیے طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات ایسے علوم کے نتائجِ فکر پر بحث کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ سائنس کے ہاں حقیقت کا کوئی مبسوط نظریہ نہیں۔ ان تصورات میں بھی کوئی ایسا ربط نہیں کہ انہیں آپس میں جوڑ کر حقیقت کی شکل کا سراغ لگایا جا سکے۔

قرآن کی تعلیمات کے مطابق خدا، کائنات اور حیات متحرک ہیں۔ اس لیے علامہ کے ہاں زمان کی ماہیت کا مسئلہ بہت اہم ہے آئن سٹائن کے نزدیک چوں کہ کائنات متحرک ہے اس لیے مکان کے صحیح جائے وقوع کے تعین کے لیے پیائش زمان ضروری ہو جاتی ہے۔ اور یوں زمان، مکان کا چوتھا بعد بن جاتا ہے، نظریہ اضافیت کے تحت مکان کا وجود ناظر کے لیے اضافی ہے۔ علامہ کا اضافیت پر اعتراض یہ ہے کہ یوں زمان کا وجود غیر حقیقی ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل کا وجود بھی پہلے سے متعین ہے۔

Marfat.com

برگساں کے تصور کے مطابق انسانی شعور ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور ذہنی کیفیات کے پیہم ردوبدل سے ہم بدلتے چلے جاتے ہیں۔ انسانی شعور کے دو پہلو ہیں ایک خارجی اور فعال جس کا تعلق گردوپیش، روزمرہ کی عملی زندگی سے ہے، برگساں کی نظر میں زمان کا یہ تصور حقیقی زمان نہیں۔ دوسرا پہلو داخلی ہے جس کا تعلق انسان کے گہرے غوروفکر کے لمحات سے ہے۔ اس کیفیت میں زمان محض ایک آن یا مستقل حال ہے۔ اور یہی برگساں کے نزدیک زمان خالص یا زمان حقیقی ہے۔ علامہ کے نزدیک قرآن حکیم کی رو سے خدا کا تخلیقی عمل بھی ایسا ہی تیز ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا، پس خدا کا زمان، زمان خالص ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے تخلیقی عمل سے زمان متسلسل لحظہ بہ لحظہ تخلیق کرتا چلا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کائنات خلا میں اشیا کے مجموعے کا نام نہیں بل کہ ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے۔

زندگی پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے اغراض و مقاصد کی تشکیل کرتی ہے اور جوں جوں اس کا عمل بڑھتا ہے نئے نئے عزائم وضع ہوتے ہیں۔ اس تسلسل میں ہم جو کچھ ہیں وہ نہیں رہتے زندگی کا رستہ گویا موت درموت سے گزرتا ہے مگر اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس رستہ کا تسلسل بے قاعدہ ہے۔ حیات و کائنات کا عمل زمان کے تسلسل میں اس لحاظ سے مقصد سے خالی ہے کہ وہ پہلے سے کسی متعین منزل کی طرف نہیں بڑھ رہا، پس زمان کی حرکت کسی پہلے سے کھچے ہوئے خط کی شکل میں نہیں، یہ خط ابھی کھنچ رہا ہے اور اس سے مراد وہ امکانات ہیں جو ہو سکتا ہے وقوع میں آئیں اور ہو سکتا ہے نہ آئیں۔ اقبال کے نزدیک مستقبل انھی معنوں میں بامقصد ہے اور وہ قرآنی اصطلاح تقدیر کی تشریح بھی اسی انداز میں کرتے ہیں۔

آخر میں اقبال فرماتے ہیں کہ صرف وجدان کے ذریعہ یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ حیات دراصل ایک اپنی ذات پر مرتکز خودی ہے۔ ایسے علم کو خواہ نامکمل قرار دیا جائے پھر بھی وہ ایک نقطۂ آغاز ہے جس کی بدولت انسان پر بلاواسطہ انکشاف ہوتا ہے کہ حقیقتِ مطلق کی ماہیت کیا ہے؟ حقیقتِ مطلق کا تصور ایک خودی کے طور پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے

Marfat.com

نزدیک مذہب کے عزائم فلسفہ سے بلند تر ہیں۔ فلسفہ دُور ہی سے حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے مگر اس کے برعکس مذہب حقیقت سے قرب واتصال کا آرزومند ہے، ایک صرف مفروضہ ہے اور دوسرا تقرب واتصال کا زندہ تجربہ۔ عقل کے لیے ایسا تقرب تب ہی ممکن ہے کہ وہ اپنے حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے اور تکمیل آرزو کی خاطر ایسی ذہنی روش اختیار کرے جسے مذہب دعا سے تعبیر کرتا ہے (ملخص از۔ زندہ رود۔ جلد سوم۔ ص ۳۷۴۔ ۳۷۵)

وجودِ باری تعالیٰ کی تینوں دلیلوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد علامہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا دلیل وجودی اور غائی میں کوئی معنی پیدا ہوں گے تو صرف اس صورت میں جب یہ ثابت ہو جائے کہ ہم اپنے ارتقا کی جس منزل میں ہیں وہ ہماری آخری منزل نہیں۔ علیٰ ہذا یہ کہ فکر اور ''وجود'' اپنی کہنہ میں ایک ہیں، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے محسوسات و مدرکات کی تعبیر قرآن پاک کی راہ نمائی میں کریں جس نے ان کو حقیقت کی آیات ٹھہرایا، جو اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ چناں چہ اس خطبے میں یہی امر ہمارے پیشِ نظر ہے۔'' (تشکیلِ جدید۔ ص ۴۷)

علامہ نے یہاں قرآن مجید کی سورہ الحدید کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ (اس کا حوالہ سیّد نذیر نیازی نے حاشیے میں دیا ہے) تاہم اسی عبارت کے حوالے سے ایم سعید شیخ نے اس سے قبل دو اور آیات کا حوالہ بھی دیا ہے جن کا ترجمہ پہلے دیا جاتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳)

ا۔ ہم عن قریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے، کیا تم کو کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے (۴۱۔ ۵۳)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۲۰) ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۲۱)

Marfat.com

اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمھارے نفوس میں تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ (۵۱۔۲۰،۲۱)

اس کے بعد سورہ حدید کی آیت نمبر ۳ کا ترجمہ پیش ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۳)

ترجمہ: وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات) سے پوشیدہ ہے اور تمام چیزوں کو جانتا ہے۔
(۵۷۔۳)

تفسیر: ہر چیز کا وجود ظہور اس کے وجود سے ہے، للہذا اس کا وجود اگر ظاہر و باہر نہ ہو گا تو اور کس کا ہوگا۔ عرش سے فرش تک ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کی کہنہ اور حقائق صفات تک عقل وادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کرسکتا نہ اپنے قیاس ورائے سے اس کی کچھ کیفیت بیان کرسکتا ہے، بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی ہے باہر بھی ظاہر بھی باطن بھی، کھلے اور چھپے ہر قسم کے احوال جاننے والا ہے۔ ظاہر (بہ معنی غالب) ایسا کہ اس سے اُوپر قوت کوئی نہیں، باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقع نہیں جہاں اس کی آنکھ سے اوجھل ہو کر پناہ مل سکے (تفسیر عثمانی، ص ۷۱۳)

۲۔ یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا، وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیوں کہ دنیا میں جو بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیوں کہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل وفکر وخیال تک اس کی کہنہ وحقیقت کو نہیں پاسکتے۔ (تفہیم القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۳۰۳۔)

خطبے میں آگے چل کر علامہ نے مادہ، حیات، نفس اور شعور کے حوالے سے تین علوم طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کا ایک جائزہ پیش کیا، طبیعیات میں نئے تصورات مادے کے

Marfat.com

بارے میں نئے نظریات، بالخصوص آئین سٹائین کے نظریہ اضافیت کو موضوع بنایا ہے اور اسی حوالے سے زمان و مکاں کے تصورات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ علامہ لکھتے ہیں :

"علوم طبعی یا سائنس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جزئی ہو اس لیے کہ بہ اعتبار اپنی ماہیت اور وظیفے کے اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ کوئی واحد اور کامل و مکمل نظریہ قائم کر سکے۔" (تشکیلِ جدید۔ص۔۶۵)

روانی اور تسلسل، کائنات کی اہم حقیقت

"ہمیں معلوم ہے کہ پروفیسر وائیٹ ہیڈ کے نزدیک کائنات کوئی ساکن وجود نہیں، بل کہ حوادث کی ترکیب جس کی نوعیت ایک مسلسل اور تخلیقی روانی کی ہے۔ عالمِ فطرت کی یہی خصوصیت یعنی مرور فی الزمان ہمارے محسوسات و مدرکات کا وہ سب سے معنی خیز پہلو ہے جس پر قرآن مجید نے بالخصوص زور دیا ہے اور پھر جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے، ہمارے نزدیک حقیقت مطلقہ کے ادراک کا بہترین ذریعہ۔ اس سلسلے میں بعض آیات کی طرف ہم پہلے (یعنی خطبہ اول میں) اشارہ کر آئے ہیں۔ لیکن مسئلہ زیر بحث کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ یہاں چند ایک اور آیات پیش کر دی جائیں۔" (تشکیل جدید، ص ۷۰)

یہاں علامہ نے چار مختلف مقامات سے آیتیں پیش کی ہیں۔

سب سے پہلے سورہ یونس کی آیت نمبر ۶

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ (۶)

ترجمہ: رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیز خدا نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہے (سب میں) ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (۱۰۔۶)

تفسیر: کائنات میں اللہ تعالیٰ کے جو کام ہر طرف نظر آ رہے ہیں جن کے بڑے

Marfat.com

بڑے نشانات سورج اور چاند اور لیل ونہار کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں ان سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس عظیم الشان کارگاہ ہستی کا خالق کوئی بچہ نہیں جس نے محض کھیلنے کے لیے یہ سب کچھ بنایا ہو اور پھر دل بھر لینے کے بعد یوں ہی اس گھروندے کو توڑ پھوڑ ڈالے۔ صریح طور پر نظر آرہا ہے کہ اس کام میں نظم ہے، حکمت ہے مصلحتیں ہیں اور ذرے ذرے کی پیدائش میں ایک گہری مقصدیت پائی جاتی ہے پس جب وہ حکیم ہے اور اس کی حکمت کے آثار وعلائم تمھارے سامنے اعلانیہ موجود ہیں تو اس سے تم کیسے توقع رکھ سکتے ہو کہ وہ انسان کو عقل اور اخلاقی حس اور آزادانہ ذمہ داری اور تصرف کے اختیارات بخشنے کے بعد اس کارنامہ زندگی کا حساب نہ رکھے گا۔

......اللہ تعالیٰ نے نہایت حکیمانہ طریقے سے زندگی کے مظاہر میں ہر طرف وہ آثار پھیلا رکھے ہیں جو مظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کی صاف صاف نشان دہی کر رہے ہیں، لیکن ان نشانات تک صرف وہی لوگ رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کے اندر یہ دو صفات موجود ہوں، ایک یہ کہ وہ جاہلانہ تعصّبات سے پاک ہو کر علم حاصل کرنے کے ان ذرائع سے کام لیں جو اللہ نے انسان کو دیے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے اندر خود یہ خواہش موجود ہو کہ غلطی سے بچیں اور صحیح راستہ اختیار کریں۔ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۲۶۶۔۲۶۵)

علامہ نے دوسری آیت سورہ فرقان سے دی ہے، جو اس سورہ کی آیت نمبر ۶۲ ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (۶۲)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکرگزاری کا ارادہ کرے (سوچنے، سمجھنے کی ہیں) (۲۵۔۶۲)

تفسیر: یعنی چاند سورج وغیرہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لیے ہے کہ اس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات

Marfat.com

عظیمہ اس کی دستِ قدرت کی کارسازیاں ہیں۔اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔(تفسیر عثمانی،ص ۴۸۷)

تیسری آیت سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۹ ہے :

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ز کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ(۲۹)

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ خدا ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو (تمھارے) زیر فرمان کر رکھا ہے ہر ایک وقت مقررہ تک چل رہا ہے اور یہ کہ خدا تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔(۲۹:۳۱)

تفسیر: یعنی رات اور دن کا پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ آنا خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ سورج اور چاند پوری طرح ایک ضابطہ میں کسے ہوئے،سورج اور چاند کا ذکر یہاں محض اس لیے کیا گیا ہے کہ دونوں عالمِ بالا کی وہ نمایاں ترین چیزیں ہیں جن کو انسان قدیم زمانے سے معبود بناتا چلا آرہا ہے اور آج بھی انسان انھیں دیوتا مان رہے ہیں ورنہ درحقیقت زمین، کائنات کے تمام تاروں سیاروں کو اللہ تعالیٰ نے اٹل ضابطے میں کس رکھا ہے جس سے سرمو ہٹ نہیں سکتے۔(تفہیم القرآن۔جلد چہارم۔ص۔۲۴۔)

اس مضمون کی چوتھی آیت سورہ زمر کی آیت نمبر ۵ ہے،جس کا ایک حصہ یہاں شامل ہے۔تشکیل جدید میں اس کا حوالہ بالکل ہی مختلف دیا گیا ہے۔یہاں بہ ظاہر دو آیات کو ملا دیا گیا ہے اور حوالہ ۲۳۔۸۲ دیا گیا ہے جب کہ اس میں پہلے حصے کا حوالہ ۳۹۔۵ ہے جب کہ دوسرے حصے کا ۲۳۔۸۰ ہے۔پہلے کا ترجمہ یہ ہے :

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط اَلَا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ (۵)

Marfat.com

ترجمہ: اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے اور دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۳۹۔۵)

قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (۸۲)

ترجمہ: کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اُٹھنا ہے۔ (۸۲:۲۳)

تفسیر: اس نے آسمان اور زمین بے مقصد و غایت پیدا نہیں کیے ہیں کہ نیکی و بدی اور حق و باطل کا اس میں کوئی امتیاز ہی نہ ہو جو چاہے سفارشوں کے بل پر اپنے لیے اونچے رتبے خدا کے ہاں محفوظ کرا لے، خواہ اس کے اعمال و عقائد کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ایسا ہو تو پھر یہ دنیا ایک بالکل باطل کا کارخانہ بن جاتی ہے۔ اور ایک حکیم و عادل خالق کی شان کے خلاف ہے کہ وہ باطل کام کرے۔ (تدبر قرآن جلد ششم۔ص۔۵۶۴۔)

درج بالا آیات کے حوالے کے بعد علامہ لکھتے ہیں :

"ایسے ہی بعض دوسری آیات میں جہاں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارا حساب زمانی ایک اضافی امر ہے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ شعور کے بعض ایسے مراتب بھی ہیں جن کا ہمیں کوئی علم نہیں۔" (تشکیلِ جدید۔ص۔۷۱)

اس حوالے سے ایم سعید شیخ نے چند آیات کا حوالہ دیا ہے :

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۴۷)

ترجمہ: اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو۔ (۴۷:۲۲)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ

Marfat.com

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۵)

۲۔ وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے پھر وہ ایک روز جس کا مقدار تمھارے شمار میں ہزار برس کا ہوگا اس کی طرف صعود اور (رجوع) کرے گا۔(۳۲۔۵)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (۴)ۚ

۳۔ جس کی طرف روح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں (اور) اس روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔(۷۰۔۴)

ان آیات کے بعد علامہ مسئلہ زمان کے موضوع پر بحث کرتے ہیں اور اس پر خصوصیت سے برگساں کا ذکر کرتے ہیں اور اس موضوع پر بھی مزید آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ انائے بصیر کا زمانہ محض ایک آن ہے۔ جس کو انائے فعال دنیائے خارج سے رسم و راہ کے باعث، آنات، کے ایک سلسلے میں تقسیم کر دیتا ہے اور جس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کسی لڑی میں موتیوں کے دانوں کی، یہ ہے بلا شائبہ مکان جس کے معنی استدام کے یہی باسلسلہ اور بے سلسلہ پہلو ہیں جن کی طرف قرآن مجید نے آیات ذیل میں بڑی سادگی اور بلاغت سے اشارہ کیا ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۷۵)

اس موقع پر سورہ فرقان کی آیت نمبر ۵۸ اور ۵۹ دی گئی ہیں:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا (۵۸)ۚ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (۵۹)

ترجمہ: اور اس (خدائے) زندہ پر بھروسہ رکھو جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر

Marfat.com

رکھنے کو کافی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا، وہ (جس کا نام) رحمان (یعنی بڑا
مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کرلو۔ (۲۵۔۵۸،۵۹)

تفسیر: یعنی اپنے خدائے حی لایموت پر بھروسہ رکھو، وہ زندہ خدا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر بھروسہ کرنے والے کبھی محروم و نامراد نہیں ہوتے اس میں ایک لطیف تعریض مشرکین کے اُن خداوں پر ہے جن کی نسبت فرمایا ہے کہ نہ وہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

یہ اسی خدائے حی لایموت کی مزید صفات بیان ہوئیں کہ اس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، چھ دن سے مراد خدا کے ایام ہیں جن کے طول و عرض کو وہی جانتا ہے، ہم ان کو اپنی زبان میں چھ ادوار سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے طور پر نہیں آ گئی بل کہ اس کے خالق نے اس کو نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہے۔ (تدبر قرآن۔ص۔۴۸۰)

فرمایا کہ خدا نے اپنی جو صفتیں بیان فرمائی ہیں اس کی حقیقی صفتیں وہ ہیں نہ کہ وہ جو تم نے اپنے جی سے گھڑ کر اس کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ اگر اس کی صفتیں معلوم کرنی ہیں تو اٹکل کے تیر نہ چلاو بل کہ اسی خبیر سے معلوم کرو جو اپنی صفات سے سب سے زیادہ خود واقف ہے۔ (تدبر قرآن۔ص ۴۸۱)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ (٤٩) وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَٰحِدَةٌ
كَلَمْحٍۭ بِٱلْبَصَرِ

ترجمہ: ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور ہمارا حکم تو آنکھ
جھپکنے کی طرح بات ہوتی ہے۔ (۵۴۔۴۹،۵۰)

تفسیر: امام مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین مکہ نے آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں مباحثہ شروع کر دیا۔ ان المشرکین ۔۔۔ سے خلقنا بقدر۔ یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر: ہم نے تمھارے اعمال کو خاص انداز میں پیدا کیا، مگر تم اس کے منکر ہو جیسا

Marfat.com

کہ قدریہ فرقہ لکھتا ہے یا یہ کہ ہم نے ہر چیز کی شکل وصورت اور اس کی ضروریات کو خاص انداز سے پیدا کیا اور ہمارا حکم قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں بس اچانک ایسا ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا (تفسیر ابن عباس۔ جلد سوم ۔ص ۳۱۲)

۲۔ قدر سے مراد ہے تخلیق سے پہلے اندازہ کر لینا، یا قدر سے مراد ہے امر مقتدر جو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور ہر چیز کی پیدائش سے پہلے اللہ کو اس کا علم ہے، وہی شئے کی حالت اور (پیدائش کے) وقت سے واقف ہے، حسن نے کہا کہ قدر خداوندی سے مراد وہ خاص اندازہ تخلیق جو اللہ کی حکمت کا مقتضا ہے اور ویسا ہی چیز کو ہونا چاہیے۔ (تفسیر مظہری۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۳۲)

۳۔ یعنی دنیا کی کوئی چیز بھی الل ٹپ نہیں پیدا کر دی گئی، بل کہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ وقت مقررہ پر بنتی، ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے ایک خاص حد تک نشوونما پاتی ہے، ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک خاص وقت میں ختم ہو جاتی ہے، اس عالم گیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے، جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک خاص وقت میں اسے ختم ہونا ہے، جو وقت اس کے خاتمے کے لیے مقرر کیا گیا ہے نہ اس سے ایک گھڑی پہلے ختم ہو گی نہ ایک گھڑی بعد باقی رہے گی۔ (تفہیم القرآن جلد پنجم ۔ص۔۲۴۱۔)

ان آیات کے ساتھ ہی علامہ فرماتے ہیں :

> "جب ہم اس حرکت کا مشاہدہ جس کا اظہار عمل تخلیق میں ہوتا ہے خارج سے کرتے ہیں، یعنی عقلاً اس کو اپنے تصور میں لاتے ہیں تو یہ عمل ہزار ہا سال پر ممتد نظر آتا ہے۔ عہد نامہ عتیق کی طرح قرآن مجید کی اصطلاع میں بھی خدا کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۷۵)

اس حوالے سے ایم سعید شیخ نے درج ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے :

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ

Marfat.com

يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (٤٧)

ترجمہ: اور یہ (لوگ) تم سے عذاب میں جلدی کر رہے ہیں اور خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا اور بے شک تمھارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمھارے حساب کی رو سے ہزار برس کے برابر ہے۔ (۲۲۔۴۷)

مسئلہ تقدیر اور زمان کے حوالے سے ان آیات کے بعد علامہ لکھتے ہیں :

''چناں چہ بہ طور ایک نامی کل زمانے کا یہی تصور ہے جس کو قرآن پاک نے تقدیر سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن جس کو نہ اسلامی دنیا ٹھیک سمجھ سکی، نہ غیر اسلامی دنیا۔ دراصل تقدیر عبارت ہے اس زمانے سے جس کے امکانات کا انکشاف ابھی باقی ہے۔ یہ گویا وہ زمانہ ہے جو علت و معلول کی ترتیب سے آزاد ہے، علیٰ ہذا اس ہندسی شکل سے جس کا از روئے فہم منطقی متشکل ہونا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر یہ وہ زمانہ ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں وہ نہیں جو ہمارے تصور میں آتا ہے اور جس کا ہم حساب و شمار کرتے ہیں۔'' (تشکیلِ جدید۔ ص۔ ۷۶، ۷۷)

لٰہذا بہ حیثیت تقدیر، زمانہ ہی ہر شئے کا جوھر ہے، قرآن پاک کا بھی یہی ارشاد ہے۔ ہم ہی نے ہر شئے پیدا کی اور ہم ہی نے اس کا اندازہ مقرر کیا۔

(یہاں تشکیلِ جدید میں حاشیے میں اس آیت کا حوالہ ۱۹۵۔۵۴۔ جو درست نہیں بل کہ حوالہ جات کی سابقہ ترتیب کے مطابق جس میں پہلے سورہ کا نمبر اور پھر آیت کا نمبر دیا گیا، یہ عجیب حوالہ ہے۔ البتہ انگریزی متن مرتبہ محمد سعید شیخ نے اس عبارت کے حاشیے میں تین آیات کے حوالے تحریر ہیں یہاں انھی کا ترجمہ، تفسیر پیش ہے۔

ا۔ سورۂ فرقان آیت نمبر ۲ :

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيْرًا (٢)

Marfat.com

ترجمہ: وہی کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اس کی ہے اور جس نے (کسی
کو) بیٹا نہیں بنایا اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز
کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ (۲۵۔۲)

تفسیر: وہ ایسی ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین یعنی بارش و نباتات کی حکومت حاصل ہے اور بہ قول یہود و نصاریٰ کے اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں جیسا کہ مشرکین عرب بکتے رہتے ہیں۔ اور اس نے ہر موجود چیز کو پیدا کیا خواہ وہ شئے موجود اس کی عابد ہو یا نہ ہو اور پھر سب کی عمریں، رزق اور اعمال الگ الگ انداز میں رکھا یا یہ کہ ہر نر کے لیے مادہ بنائی۔ (تفسیر ابن عباس جلد دوم۔ ص ۳۷۶)

یعنی اس کو ٹھیک بنایا جو خواص اس میں پیدا ہونا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی جیسے انسان میں فہم، ادراک، غور و فکر، تدبر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال و اعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک معین و مقرر وقت تک باقی رکھنا اس کے لیے مقدر کر دیا۔ (تفسیر مظہری۔ جلد ششم۔ ص، ۲۸۴)

......انگریزی متن مرتبہ ایم سعید شیخ میں دوسرا حوالہ ۵۴۔۴۹ ہے۔

یہ سورہ القمر کی آیت نمبر ۴۹ ہے جو اس سے قبل صفحات میں بھی آ چکا ہے :

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ (٤٩)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی۔ (۵۴۔۴۹)

انگریزی متن میں تیسری آیت سورہ الاعلیٰ کی دوسری اور تیسری آیت ہے :

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ (٢) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ (٣)

ترجمہ: جس نے (انسان) کو بنایا پھر (اس کے اعضا کو) درست کیا اور
جس نے اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا (پھر اس کو) رستہ بتایا۔ (۸۷۔۲،۳)

تفسیر: یعنی ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے طے کر دیا کہ اسے دنیا میں کیا کام کرنا ہے اور اس کام کے لیے اس کی مقدار کیا ہو۔ اس کی شکل کیا ہو، اس کی صفات کیا ہوں اس

Marfat.com

کا مقام کس جگہ ہو، اس کے لیے بقا اور قیام اور فعل کے لیے مواقع اور ذرائع فراہم کیے جائیں، کس وقت وجود میں آئے گی کب تک اپنے حصے کا کام کرے گی اور کب تک ختم ہو جائے۔ اس پوری اسکیم کا مجموعی نام ''تقدیر'' ہے۔ (تفہیم القرآن۔ جلد ششم۔ ص۔۳۱۱)

''زمان حقیقی کی زندگی زمان متسلسل کی زنجیروں سے آزادی، اور اس لیے لمحہ بہ لمحہ خلاقی، کی زندگی ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۷۸)

آیہ سورہ رحمان۔۲۹:

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ (۲۹) ۚ

ترجمہ: آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ (۵۵۔۲۹)

تفسیر: یعنی ہر وقت اس کارگاہِ عالم میں اس کی کارفرمائی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے کسی کو مار رہا ہے، کسی کو جلا رہا ہے، کسی کو اُٹھا رہا ہے، کسی کو گرا رہا ہے، کسی کو شفا دے رہا ہے اور کسی کو بیماری میں مبتلا کر رہا ہے، کسی ڈوبتے کو بچا رہا ہے اور کسی تیرتے کو ڈبو رہا ہے۔ بے شمار مخلوق کو طرح طرح سے رزق دے رہا ہے۔ بے حد و حساب چیزیں نئی نئی وضع اور شکل و اوصاف کے ساتھ پیدا کر رہا ہے۔ اس کی دنیا کبھی ایک حال پر نہیں رہتی، ہر لمحہ اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور اس کا خلاق ہر بار اسے ایک نئی صورت میں ترتیب دیتا ہے جو پچھلی تمام صورتوں سے مختلف ہوتی۔ (تفہیم القرآن۔ جلد پنجم۔ ص، ۲۶۱)

کائنات اضافہ پذیر ہے

''قرآن کی رو سے کائنات میں اضافہ ممکن ہے وہ ایک اضافہ پذیر کائنات ہے کوئی بنا بنایا مصنوع نہیں جس کو اس کے صانع نے مدت ہوئی تیار کیا تھا مگر جو اب مادے کے ایک بے جان ڈھیر کی طرح مکان مطلق میں پڑا ہے جس میں زمانے کا کوئی دخل نہیں اور اس لیے اس کا وجود و عدم برابر ہے۔''
(تشکیلِ جدید۔ ص۔۸۵۔)

Marfat.com

یہاں علامہ نے سورہ الفرقان کی آیت نمبر ۶۲ کا حوالہ دیا ہے تشکیلِ جدید میں حاشیے میں حوالہ ۱۵۔۶۳ درج ہے جو بالکل غیر متعلق ہے تاہم انگریزی متن (مرتبہ ایم سعید شیخ) میں حوالہ درست ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (٦٢)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کی ہیں)۔ (۲۵۔۶۲)

تفسیر: یعنی چاند سورج وغیرہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لیے ہے کہ اس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات و تقلبات عظیمہ اسی کے دستِ قدرت کی کارسازیاں ہیں اور رات دن کے فوائد و انعامات کو دیکھ کر شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۸۷)

۲۔ مقصود ان آیات سے انسان کو بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے شمس و قمر اور ان کے ذریعہ رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات اس لیے پیدا کیے کہ غور و فکر کرنے والے کے لیے ان میں حقِ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں اور شکر گزار کے لیے شکر کے مواقع ملیں تو جس شخص کا وقت دنیا میں ان دونوں چیزوں سے خالی گزر گیا اس کا وقت ضائع ہو گیا اور اس کا راس المال بھی فنا ہو گیا۔ (معارف القرآن۔ جلد ششم۔ ص ۔ ۴۷۵)

آگے چل کر علامہ نے ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے جو عبارت لکھی ہے اس میں قرانی آیات کا حوالہ دیا ہے۔

خدا بے نیاز ہے اس جیسا کوئی نہیں

"زندہ وہی ہے جو میں ہوں یا انا الموجود کہہ سکے۔ پھر یہ انا الموجود ہی کا

Marfat.com

وجدان ہے جس سے مدارج ہستی میں ہماری جگہ متعین ہوتی ہے۔ یوں کہنے میں انسان بھی کہتا ہے 'میں ہوں' لیکن اس کا 'میں ہوں' اس کے اپنے اختیار میں نہیں، بل کہ ذات اور غیر ذات میں امتیاز کا نتیجہ ہے۔ ذات بحت البتہ، جیسا کہ قرآن پاک میں کا ارشاد ہے، 'غنی عن العالمین' ہے لہٰذا اس کے لیے غیر ذات کی حیثیت ذات مقابل کی نہیں، ورنہ اسے بھی غیر ذات سے وہی نسبت مکانی ہوتی جو ہماری ذات متناہیہ کا اپنے غیر سے ہے۔ لہٰذا فطرت یا عالم طبعی ایک گزرتا ہوا لمحہ ہے حیات الٰہیہ میں۔ اس کا 'ہونا' مستقل بالذات ہے، اس کی اپنی سرشت اور وجود میں داخل، وہ سرتا سر مطلق ہے اور اس لیے ناممکن ہے ہم اس کا کوئی کامل و مکمل تصور قائم کر سکیں۔ قرآن کا ارشاد ہے ''لیس کمثلہ شی۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۸٦)

اس عبارت کے انگریزی متن میں چند آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا ترجمہ یوں ہے:

فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (۹۷)

۱۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض ہے) کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے (۳۔۹۷)

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (٦)

۲۔ اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے محنت کرتا ہے

Marfat.com

(اور) خدا تو سارے جہان سے بے پروا ہے(۲۹-٦)

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (۱٤)

۳- بے شک میں ہی خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو (۲۰-۱۴)

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ج یَذْرَؤُکُمْ فِیْہِ ط لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ج وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (۱۱)

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (وہی ہے) اسی نے تمھاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے بنائے (اور) اس طریق پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا اور سنتا ہے (۴۲-۱۱)

طرت سنت اللہ ہے

''فطرت کو ذات الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو سیرت و کردار کو ذات انسانی سے۔ قرآن مجید نے بھی کس خوبی سے اسے 'سنت اللہ' ٹھہرایا ہے۔'' (تشکیل جدید-ص ۸٦)

سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (٦۲)

ترجمہ: جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں اللہ کی عادت یہی رہی اور تم خدا کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔ (۳۳-٦۲)

اسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَمَکْرَ السَّیِّئِ ط وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ ط فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ج فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا (٤۳)

۲- یعنی انھوں نے ملک میں غرور کرنا اور بُری چال چلنا (اختیار کیا) اور

Marfat.com

بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ یہ اگلے لوگوں کی روش اور کسی چیز کے منتظر نہیں سو تم خدا کی عادت میں تو ہر گز تبدل نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔ (۳۵-۴۳)

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ صلے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۲۳)

۳۔ (یہی) خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت بدلتی نہ دیکھو گے۔ (۴۸-۲۳)

''پھر زمان متسلسل بھی تو دراصل استدام محض ہے، گو فکر اس کو پارہ پارہ کر دیتا ہے گو یہ بھی ایک حیلہ ہے جس کے ذریعے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ حقیقت مطلقہ کی تخلیقی فعالیت کا احصا جس کا سلسلہ پیہم جاری ہے مقداری طور پر کر سکیں، قرآن پاک کے اس ارشاد 'لہ اختلاف اللیل والنھار' میں میرے نزدیک یہی حقیقت پیش نظر ہے'' (تشکیلِ جدید۔ص ۸۹)

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۸۰)

ترجمہ : اور وہی ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اُسی کا تصرف ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔ (۲۳-۸۰)

''برعکس اس کے یہاں اس کی حقیقی نوعیت کا اظہار مسلسل خلاقی میں ہو رہا ہے جس میں تھکن کا شائبہ ہے نہ 'اونگھ' اور 'نیند' کا اس کو بے تغیر ٹھہرایا گیا ہے تو اس کا تصور محض ایک تعطل ایک بے مقصد اور بے حرکت بے رنگی یا مطلق لا شے ہی کے طور پر کر سکیں گے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۹۱)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ق صلے وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۳۸)

ترجمہ : اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے

Marfat.com

سب کو چھے دن میں بنادیا اور ہم کو ذرا بھی تھکان نہیں ہوا۔ (۵۰۔۳۸)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۲۵۵)

ترجمہ : اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ سب کا احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں جتنا کہ وہ چاہے۔ گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کا تھامنا ان کا اور وہی ہے برتر عظمت والا۔ (۲۔۲۵۵)

فطرت کا تصور

''فطرت کو ذات الٰہیہ سے وہی نسبت ہے جو سیرت و کردار کو انسانی ذات سے قرآن مجید نے بھی کس خوبی سے اسے سنت اللہ ٹھہرایا ہے'' ۔۔۔۔

(تشکیلِ جدید، ص،۸۶۔)

''فطرت کا تصور بھی بہ طور ایک زندہ اور ہر لحظہ بڑھتی اور پھیلتی ہوئی وحدت نامیہ کی حیثیت سے کرنا چاہیے جس کی نشو و نما پر ہم خارج سے کوئی حد قائم نہیں کر سکتے، اس کی کوئی حد ہے تو داخلی، یعنی وہ ذات مشہود جو اس میں جاری و ساری ہے اور جس نے اس کو سہارا دے رکھا ہے قرآن پاک کا ارشاد بھی یہی ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۸۷)

Marfat.com

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (۴۲)

ترجمہ: اور یہ کہ تمھارے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے۔ (۵۳۔۴۲)

تفسیر: اور یہ بات بھی واضح رہے کہ سب کی بازگشت تیرے رب کی طرف ہو گی اس مغالطے میں کوئی نہ رہے کہ تیرے رب کے سوا کسی کا مرجع اور مولی کوئی اور بھی ہے جو اس کو خدا کی باز پرس سے بچالے گا یا خدا کے فیصلوں کے خلاف کوئی مرافعہ اس کی عدالت میں کر سکے گا۔ خدا ہی کے حضور سب کی بھی پیشی ہو گی اور خدا کے فیصلے بالکل آخری اور حتمی ہوں گے۔ (تدبر قرآن۔ص۔۷۸۔)

''اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو علوم طبعیہ میں بھی روحانی اعتبار سے نئے معانی پیدا ہو جاتے ہیں، کیوں کہ فطرت کا علم سنن الہیہ کا علم ہے جس کے مشاہدے میں ہم ذاتِ مطلق ہی سے قرب و اتصال کی سعی کرتے ہیں اور اس لیے یہ بھی گویا عبادت ہی کی دوسری شکل ہے''

(تشکیلِ جدید۔ص۔۸۷۔)

''زمان متسلسل بھی تو دراصل استدام محض ہے گو فکر اس کو پارہ پارہ کرتا رہتا ہے گو یہ بھی ایک حیلہ ہے جس کے ذریعے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ حقیقت مطلقہ کی تخلیقی فعالیت کا احسا جس کا سلسلہ پیہم جاری ہے مقداری طور پر کر سکیں قرآن پاک کے اس ارشاد ۔۔۔ میں بھی میرے نزدیک یہی حقیقت پیش نظر ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص۔۸۹)

یہاں سورہ المومنون کی آیت نمبر ۸۰ کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ط
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۸۰)

ترجمہ: اور وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کو بدلتے رہنا اسی کا تصرف ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔ (۲۳۔۸۰)

◆◆◆

Marfat.com

تیسرا خطبہ

ذات الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا

The Conception of God and the Meaning of Prayer

اس مقالہ میں علامہ فلسفہ کی روشنی میں خدا کے اسلامی تصور کی وضاحت کرتے ہیں ۔انسانی ذرائع علم کے اجتماعی تجربہ سے ہم پر منکشف ہوتا ہے کہ ان ذرائع کی اساس کوئی بابصر تخلیقی مشیت ہے جسے خودی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ۔خودی کی مطلق انفرادیت کے پیش نظر قرآن نے اس کے لیے اللہ کا اسم معرفہ استعمال کیا ۔خودی مطلق لامتناہی ہے ، اس کی لامحدودیت وسیع ہونے کے بجائے عمیق ہے۔

بعدازاں علامہ اس سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں کی خدا کی تخلیقی فعلیت سے عمل تخلیق کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے،اس مرحلہ پر اقبال قرانی آیات کی روشنی میں اشاعرہ کے افکار پیش کرتے ہیں ، اشاعرہ کے نزدیک کائنات کی ترکیب جوہر یا ان لاتعداد چھوٹے چھوٹے ذروں سے ہوئی جن کا مزید تجزیہ ناممکن ہے اور چوں کہ تخلیقی فعلیت کا سلسلہ جاری ہے اس لیے جواہر کی تعداد لامتناہی ہے، ہر لحظہ نئے جوہر عدم سے وجود میں لائے جاتے ہیں اور کائنات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اقبال کے نزدیک ان افکار کی روشنی میں خدا کا تخلیقی عمل وحدتوں کی صورت ہی ہوتا ہے جن کو وہ خودیوں سے تعبیر کرتے ہیں ۔کائنات کا جوہر ہر خودی ہی کی پست و بالا صورت ہے البتہ وہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ذاتِ انسانی میں اپنے معراج کمال کو پہنچتی ہے۔اسی سبب سے قرآن حکیم نے مطلق خودی کو شہ رگ کے قریب ٹھہرایا ہے، حیات الٰہیہ کا سیل رواں

Marfat.com

تمام خودیوں کا سرچشمہ ہے اور ہم اس میں موتیوں کی طرح زندہ اور متحرک ہیں، اس اعتبار سے انسان ہی جملہ مخلوق میں اس قابل ہے کہ خدا کی حیاتِ تخلیقی میں ایک معاون یا ہم کار کی طرح عمداً حصہ لے اور چوں کہ وہ ایک بہتر اور خوب تر عالم کا تصور کر سکتا ہے اس لیے موجود کو مطلوب میں بدلنے کا اہل ہے۔

اقبال کی نگاہ میں فلسفہ تو صرف تصورات پر قناعت کرتا ہے لیکن مذہب اپنے مقصود کا زیادہ گہرا علم حاصل کرنے کے لیے اس کے قریب ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ اور یہ قرب دعا کے ذریعے ہی میسر ہوتا ہے۔ دعا کا تعلق روحانی تجلیات سے ہے اور اس سے مختلف طبیعتیں مختلف اثرات قبول کرتی ہیں۔ (ملخص از: زندہ رود، ڈاکٹر جاوید اقبال، جلد سوم، ص ۳۷۶)

اللہ تعالیٰ کا تصور

''جب ہم محسوسات و مدرکات کے نسبتاً زیادہ اہم عوالم پر اس خیال سے نظر ڈالتے ہیں کہ ان کا سلسلہ ایک دوسرے سے جوڑ دیں تو اس اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہمارے محسوسات و مدرکات کی اساس کوئی بابصر اور تخلیقی مشئیت ہے جس کو بوجوہ ایک۔ انا۔ ہی سے تعبیر کیا جائے گا چناں چہ یہی انا ہے جس کی انفرادیت کے پیشِ نظر قرآن پاک نے اس کے لیے اللہ کا اسم معرفہ استعمال کیا ہے اور پھر اس کی وضاحت ان آیات میں کی۔''

(تشکیلِ جدید، ص۔ ۹۵)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ ۥ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)

ترجمہ: کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ ہے ایک ہے (وہ) معبود برحق ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

(سورہ اخلاص۔ ۱۔۴)

تفسیر: ترمذی، حاکم اور خزیمہ نے ابوالعالیہ کے طریق سے محمد ابن کعب سے

Marfat.com

روایت کیا ہے کہ مشرکین نے حضور سے کہا کہ اپنے پرودگار کا نسب بیان کریں اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور طبرانی اور ابن جریر نے جابر کی روایت سے اس سورت کے مکی ہونے پر استدلال کیا ہے۔

اور ابن جریر نے ابولعالیہ سے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا کہ مختلف لوگوں نے کہا کہ اپنے پرودگار کا نسب بیان کرو، چناں چہ آپ کے پاس جبرائیل یہ سورت لے کر آئے ۔اور ابی ابن کعب کی روایت میں جو مشرکین کا لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے جیسا کہ ابنِ عباس کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد دوم، ص،۵۰۱)

ذات الٰہیہ کا تصور

''مشکل یہ ہے کہ ہمارے لیے فرد کا ٹھیک تصور قائم کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ جیسا کہ 'ارتقائے تخلیقی' میں برگساں نے لکھا ہے انفرادیت کے کئی مدارج ہیں، حتیٰ کہ ذاتِ انسانی کی الگ تھلگ وحدت میں بھی اس کا تمام وکمال اظہار نہیں ہوتا۔ برگساں کہتا ہے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ نظم وضبط کی دنیا میں اگر چہ ہر جگہ انفرادیت کا رجحان غالب ہے مگر پھر یہیں ایک دوسرا یعنی توالد وتناسل کا رجحان اس کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ انفرادیت کا کمال ہی یہ ہے کہ کسی زندہ جسم کا کوئی حصہ الگ تھلگ اپنی ہستی برقرار نہ رکھ سکے۔ لیکن اس صورت میں توالد وتناسل کا عمل ناممکن ہوتا۔ اس لیے توالد وتناسل کا مطلب ہے جسم سابق کے ایک ٹکڑے کا اس طرح منفصل ہونا کہ اس سے ایک نیا جسم وجود میں آسکے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں انفرادیت نے خود اپنے گھر میں اپنا ایک دشمن پال رکھا ہے۔ سطورِ بالا کے یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ فرد کامل کی ذات میں بھی جو بہ حیثیت ایک 'انا' کے اپنے آپ میں محدود اور اس لیے دوسروں سے الگ تھلگ، بے مثل اور یکتا ہے، خود اس کا دشمن موجود ہے۔ لہٰذا ہم اس کا تصور کریں گے تو یہ سمجھتے

Marfat.com

ہوئے کہ اس کی ذات توالد وتناسل کے رجحان سے بالاتر ہے۔انیت کاملہ کی یہی خصوصیت ذات الٰہیہ کے تصور کا بنیادی جزو ہے جو قرآن پاک نے اس باب میں قائم کیا ہے اور پھر جس پر بار بار زور دیا تو اس لیے نہیں کہ قرآن پاک کو اس وقت کے مروجہ مسیحی عقیدے کی تردید منظور تھی، بل کہ اس لیے کہ فرد کامل کے ٹھیک ٹھیک تصور میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔"

(تشکیلِ جدید، ص ۹۵،۹۶)

ذات الٰہیہ کے تصور کے ضمن میں درج بالا عبارت کے انگریزی متن میں متعدد آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔جن کا ترجمہ پیش ہے :

وَ اِلٰـهُـكُـمْ اِلٰـهٌ وَّاحِـدٌ ۚ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الـرَّحْـمٰنُ الرَّحِيْمُ (۱٦۳)

۱۔ اور (لوگو) تمھارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان (اور) رحم کرنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔(۲۔۱۶۳)

يٰۤـاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْـحَـقَّ ؕ اِنَّـمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَـلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ز فَـاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ قف ۚ وَلَاتَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (۱۷۱)

۲۔ اے اہلِ کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (بھی) مریم کے بیٹے عیسیٰؑ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بل کہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں اس اعتقاد سے)

Marfat.com

بعض آو کہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے، خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔ (۱۷۱:۴)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ط وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۷۳)

۳۔ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالاں کہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے (اقوال وعقائد) سے بعض نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ (۷۳:۵)

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ قف لا شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَ بَيْنَكُمْ قف وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ط اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۱۹)

۴۔ ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرینِ انصاف) کس کی شہادت ہے کہہ دو کہ خدا ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے۔ اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں ۔ کیا تم لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ (اے محمد) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ صرف وہی معبود ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (۱۹:۶)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا

Marfat.com

ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ أَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (١٦)

۵۔ ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے (تم ہی ان کی طرف سے) کہہ دو کہ خدا۔ پھر (ان سے) کہو کہ تم نے خدا کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے جو (اپنے) نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے (یہ بھی) پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں یا اندھیرا اور اُجالا برابر ہوسکتا ہے بھلا ان لوگوں نے جن کو خدا کا شریک مقرر کیا، کیا انھوں خدا کی سی مخلوقات پیدا کی ہیں، جس کے سبب ان کو مخلوقات مشتبہ ہوگئی ہیں، کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا (اور) زبردست ہے۔

(۱۶:۱۳)

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (٤٨)

۶۔ جس دن یہ زمین بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے) اور سب لوگ خدائے یگانہ وزبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔ (۴۸:۱۴)

قُلْ إِنَّمَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (١٠٨)

۷۔ کہہ دو کہ مجھ پر (خدا کی طرف سے) یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا معبود خدائے واحد ہے تو تم کو چاہیے کہ فرماں بردار بن جاؤ۔ (۱۰۸:۲۱)

لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (٤)

Marfat.com

۸۔ اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا، وہ پاک ہے وہی تو خدا یکتا (اور) غالب ہے۔ (۳۹:۴)

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۱٦)

۹۔ جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے، چھپی نہ رہے گی اللہ پر ان کی کوئی چیز کس کا راج ہے اس دن، اللہ کا ہے اکیلا ہے دباؤ والا۔ (۱٦:۴۰)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۰۱)

۱۰۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اس کی اولاد کہاں سے ہو جب اس کی بیوی ہی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے (۱۰۱:٦)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٦٨)

۱۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں خدا نے بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اے افترا پردازو) تمھارے پاس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے تم خدا کی نسبت ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ (٦٨:۱۰)

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (۱۱۱)

۱۲۔ اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور

Marfat.com

نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔

(۱۱۱:۱۷)

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (۸۸) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱) وَ مَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲)

۱۳۔ اور کہتے ہیں خدا بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو قریب ہے کہ اس (افترا) پر آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے خدا کے لیے بیٹا تجویز کیا، اور خدا کو شایان شان نہیں کہ بیٹا بنائے۔ (۹۲،۸۸:۱۹)

ذات الٰہیہ کے تصور کے حوالے سے علامہ بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے سورہ نور سے ایک آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)

ترجمہ: خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے، جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا تیل جلتا ہے اس میں برکت کے ایک درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگر چہ نہ لگی ہو اس میں آگ

Marfat.com

روشنی پر روشنی، اللہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے۔ (۳۵:۲۴)

اس آیت کو پیش کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں :

''اس آیت کے حصے سے تو بے شک یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہاں بھی ذات الٰہیہ کو انفرادیت سے دُور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جب ہم اس استعارے کا تاخر مطالعہ کرتے ہیں تو یہ امر واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ اس کا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے، اس لیے کہ جوں جوں یہ استعارہ آگے بڑھتا ہے اس خیال کی نفی ہو جاتی ہے کہ ذات الٰہیہ کا قیاس کسی لاصورت کونی عنصر پر کیا جائے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۹۷)

تفسیر: یعنی جیسا کہ چراغ کی روشنی سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے اس طرح معرفت خداوندی بھی ایک نور ہے جس کے ذریعے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور جیسا کہ قندیل ایک نور ہے کہ جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اس طرح معرفت بھی ہدایت حاصل کرنے کے لیے نور ہے اور جس طرح چمک دار اور روشن ستاروں سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے بالکل اُسی طرح معرفتِ خداوندی سے کفر و شرک کی تاریکیوں میں نجات حاصل کی جاتی ہے۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد دوم، ص ۳۶۲)

....

اس آیت (آیہ نور) کے حوالے سے وہ بحث نقل کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا جو مکتوباتِ اقبالؔ (مرتبہ) سیّد نذیر نیازی، اقبال اکیڈمی، کراچی ۱۹۵۷ء) میں درج ہے۔

ایک روز تیسرے خطبے کے سلسلے میں آیہ نور کی بحث آ گئی۔ مولانا اسلم نے فرمایا ڈاکٹر صاحب نور کو مادی نور کے معنوں میں استعمال کر رہے ہیں اور پھر ہر چند کہ مَیں نے مولانا کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کی۔ انھیں اصرار رہا کہ مَیں ان کا خیال حضرت علامہ تک پہنچا دوں۔ اس پر فوراً ارشاد ہوا بل کہ راقم کو ہلکی سی تنبیہ بھی فرمائی۔

(مکتوب علامہ اقبالؔ) مولانا اسلم کا ارشاد بجا ہے۔ مگر اس آیت کو تاریخی نقطۂ نگاہ

Marfat.com

سے دیکھنا چاہیے۔اس مضمون کی آیات قریباً تمام کتبِ سماوی میں موجود ہیں۔اس کا مقصود یہ نہیں کہ خدا مادی معنوں میں نور ہے۔ light dealt with in physical science نور محض ایک استعارہ ہی ہے جیسے قدیم کتب سماوی میں pantheistic اغراض کے لیے استعمال کیا گیا تھا یعنی وجود باری کو ہمہ گیر pervasive ظاہر کرنے کے لیے۔قرآن نے میری ناقص رائے میں اس قدیم استعارے کو وجود باری کی absoluteness پر اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے کیوں کہ عالمِ مادی بھی زمانہ حال کی تحقیق کی رو سے صرف نور ہی ایک ایسی چیز ہے جو relatively absolute ہے مقدمہ وغیرہ کا انتظام ابھی سے کر لیجیے۔مکر رآن کہ معلوم ہوتا ہے تیسرے خطبے میں جو کچھ آیت مذکورہ میں لکھا ہے آپ اس کو اچھی طرح سمجھ نہیں آسکی ورنہ مولانا اسلم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے کہ میرے خیال میں اس آیت قرانی میں خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور (مادی معنوں میں) قرار دیا ہے۔(مکتوبِ اقبالؔ)

(عبارت: نذیر نیازی) بہر حال مَیں نے مولانا کو علامہ کا مکتوب پڑھ کر سنایا لیکن ان کو تسلی نہ ہوئی۔فرمایا اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو نور السموات والارض کہنا اس لیے نہیں کہ نور سے مراد وہ نور نہیں جو مرئی کے ساتھ قائم ہے اور جسے قرآن پاک میں نصاً مخلوق کہا گیا ہے بل کہ یہ وہ نور ہے جو رائیء کے ساتھ قائم ہے یعنی جس سے اس عالم کی ہستی محسوس ہوتی ہے۔لہٰذا یہ آیت زیادہ غور وفکر کی محتاج ہے۔مزید تشخصات دراصل اس (نور) کو سمجھانے کے لیے ہیں۔ ان پر غور کرنا لازم ہے مثلاً بیت سے مراد ہے دین، طاق سے مردِ مومن، زجاج سے ایمان ،زجاجہ سے قلب، زیت سے آسمانی تعلیم۔

(مکتوب علامہ اقبالؔ) آیہ نور کے متعلق میں نے جو لکھا ہے اسے تاویل کہنا صحیح نہیں۔تاویل کا لفظ اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کسی آیت کے عام معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لیے جائیں۔مَیں نے لفظ نور کے وہی معنی مراد لیے ہیں جن میں یہ لفظ عام طور پر لیا جاتا ہے۔اگر آپ کہیں کہ اس آیہ میں نور علیٰ ہذا القیاس زجاج وغیرہ سے کچھ اور مراد ہے تو یہ تاویل ہو گی، میں نے اپنے تمام لیکچروں میں اس قسم کی تاویل سے پرہیز کیا ہے اور الفاظ کو ان ہی معنوں میں

Marfat.com

لیا ہے جن میں وہ عام طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی طریق تھا، یہی طریقِ بحث ابنِ حزم کا ہے مولانا روم کا یہ شعر میرے لیے نہ صرف دلیلِ راہ ہے بل کہ سوز و گداز کا بھی سامان ہے :

کردہ تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

باقی رہی دوسری آیت جس کا ذکر آپ نے اپنے آخری خط میں کیا ہے سو عرض ہے کہ ایک اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ تمام حوادث پہلے سے متعین ہیں۔ میرے لیکچروں کا مشکل حصہ غالباً یہی بحث ہے۔ اس کو غور سے پڑھنا چاہیے۔ مَیں نے اس حصہ میں time .. eternity کے تناقض کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ time کے اعتبار سے حوادث متعین نہیں eternity کے اعتبار سے ان کو متعین تصور کرنا بالکل بجا اور درست ہے۔ اس مسئلہ پر غالباً جدید سائنس مزید روشنی ڈال سکے گی۔ Einstein سے اس بحث کا آغاز سمجھنا چاہیے، علما کے اعتراضات وتصورات سے زیادہ سروکار نہ رکھنا چاہیے، آپ کو وضع اصطلاحات کی فکر کرنا چاہیے۔ آخر یہ مباحث فلسفیانہ ہیں اور فلسفہ ایک متحرک شئے ہے۔ اس کی کوئی دلیل جیسا کہ مَیں نے دیباچے میں لکھ دیا ہے قطعی اور آخری نہیں قرار دی جا سکتی۔ علم انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی تصورات بھی improve ہوتے جاتے ہیں۔ فلسفہ محض حقائق کو تصور کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ (مکتوب علامہ اقبال)

(مکتوباتِ اقبال۔ مرتبہ: سیّد نذیر نیازی، اقبال اکیڈمی، کراچی، طبع ۱۹۵۷ء صفحات ۳۹ تا ۴۵)

....

آیہ نور کے بعد علامہ نے وجودِ ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے ایک دقیق بحث کی ہے جس کے درمیان ایک جگہ اشاعرہ کے قدرتِ الٰہیہ کے منہاجِ تخلیق کے تصور کے حوالے سے ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس آیت سے پہلے علامہ کہتے ہیں :

''اس سے پہلے کہ ہم اپنے سلسلہ بحث میں آگے بڑھیں ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ذاتِ الٰہیہ کی تخلیقی فعالیت سے عملِ تخلیق کی ابتدا

Marfat.com

کس طرح ہوتی ہے ۔الہیات اسلامیہ کے سب سے متشرع اور تا حال مقبول عام مذہب یعنی اشاعرہ کے نزدیک قدرت کاملہ الٰہیہ کا منہاج تخلیق جواہر کی آفرینش ہے معلوم ہوتا ہے ان کا عقیدہ اس آیہ قرآنی پر مبنی تھا۔“
(تشکیلِ جدید، ص ۱۰۳)

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ز وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۱)

ترجمہ: اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بہ مقدار مناسب اُتارتے رہتے ہیں۔(۱۵۔۲۱)

تفسیر: یہاں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ یہ معاملہ صرف نباتات کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بل کہ تمام موجودات کے معاملہ میں عام ہے، ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع، ہر جنس اور ہر قوت و طاقت کی ایک مقرر حد ہے جس پر وہ ٹھہری ہوئی ہے اور ایک مقدار مقرر ہے جس سے نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے، اس تقدیر اور کمال کی حکیمانہ تقدیر ہی کا کرشمہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک پورے نظام کائنات میں توازن، بہ اعتدال اور تناسب نظر آ رہا ہے۔ اگر یہ کائنات اتفاقی حادثہ ہوتی یا بہت سے خداوں کی کاری گری وکارفرمائی کا نتیجہ ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ بُت شمار مختلف اشیا و قوتوں کے درمیان ایسا مکمل توازن و تناسب قائم ہوتا اور مسلسل قائم رہتا۔(تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۵۰۳)

کائنات میں اضافہ ہو رہا ہے

”شاعرہ کے نزدیک کائنات کی ترکیب جواہر یعنی ان لا انتہا چھوٹے چھوٹے ذروں سے ہوئی جن کا مزید تجزیہ ناممکن ہے خالقِ کائنات کی تخلیقی فعالت کا سلسلہ چوں کہ برابر جاری ہے اس لیے جواہر کی تعداد بھی لامتناہی ہے کیوں کہ ہر لحظہ نئے نئے جواہر پیدا کیے جا رہے ہیں اور اس لیے کائنات میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔قرآن مجید کا بھی یہی ارشاد ہے ۔“
(تشکیلِ جدید، ص ۱۰۴)

Marfat.com

(یہاں تشکیل میں آیت کا ٹکڑا تو درج کیا گیا ہے لیکن اس کا حوالہ درج نہیں تاہم اصل متن میں حوالہ موجود ہے اس کا ترجمہ یہ ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (١)

ترجمہ : سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کا بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین اور چار چار پر ہیں، وہ اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۵:۱)

کائنات کا ہر عمل انکشافِ ذات

"گویا کائنات کا ہر عمل خواہ اس کا تعلق مادی جواہر کی میکانیاتی حرکت سے ہو یا ذاتِ انسانی میں فکر کی آزادانہ کارفرمائی سے، سب کی حقیقت بہ جز ایک عظیم اور برتر انا کے انکشاف کے سوا اور کچھ نہیں" (تشکیلِ جدید، ص ۱۰۹)

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (١٤)

حوالہ آیت: بے شک مَیں ہی خدا ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھو۔ (۲۰:۱۴)

حقیقتِ مطلقہ انسانی رگِ جان کے قریب

"قدرت الٰہیہ کا ہر جوہر خواہ اس کا درجۂ ہستی پست ہو یا بلند، اپنی ماہیت میں ایک 'انا' ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس انیت یا خودی کے اظہار کا بھی اپنا اپنا ایک درجہ ہے بڑا یا چھوٹا۔ بایں ہمہ بزمِ ہستی میں ہر کہیں خودی ہی کا نغمہ لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا ہے اور ذاتِ انسانی میں اپنے معراجِ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید نے بھی تو اسی لیے حقیقت مطلقہ کو انسانی رگِ جاں کے قریب ترٹھہرایا۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ صلے
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (١٦)

ترجمہ: اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (۵۰۔۱۶)

تفسیر: گردن کی رگ مراد ہے جسے شہ رگ کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مرجاتا ہے، شاید کنایہ ہو جان اور روح سے، مطلب یہ ہوا کہ ہم (باعتبارِ علم کے) اس کی روح اور نفس سے بھی نزدیک ہیں یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے نیز علت ومنشا کے معلول اور ناشئے کے ساتھ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشئے کو خود اپنے نفس کے سے بھی نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۶۸۹)

زمانِ الٰہیہ اُم الکتاب

''ذاتِ الٰہیہ کی اولیت زمانے کی اولیت کا نتیجہ نہیں، بل کہ زمانے کی اولیت ذاتِ الٰہیہ کی اولیت کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے زمانِ الٰہیہ کو 'ام الکتاب' ٹھہرایا ہے جس میں سارا عالم تاریخ علت ومعلول کی قید تواتر سے آزاد ہو کر ایک واحد اور فوق الدیمومت آن میں جمع ہو گیا ہے''۔
(تشکیلِ جدید، ص ۱۱۵)

انگریزی متن میں اس حوالے سے تین آیات کا حوالہ دیا گیا ہے :

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ
اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ
وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ

Marfat.com

اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۷)

۱۔ ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں، تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالاں کہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو لوگ علم میں دست گاہِ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔

(۳:۷)

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (۳۹)

۲۔ خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ (۱۳:۳۹)

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۴) ؕ

۳۔ اور یہ بڑی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس (لکھی ہوئی اور) بڑی فضیلت (اور) بڑی حکمت والی ہے (۴۳:۴)

اختلافِ لیل ونہار

تشکیلِ جدید ص ۱۱۷۔ حوالہ آیت۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۸۰)

ترجمہ: کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ کہ) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

(۲۳:۸۰)

Marfat.com

عالمِ فطرت

''قرآن مجید نے مجرد کلیات سے کبھی اعتنا نہیں کیا۔ اس کی نظر حقائق پر ہے اور یہ وہ سبق ہے جو نظریہ اضافیت سے جدید فلسفہ نے حال ہی میں سیکھا ہے۔ بات یہ ہے فعالیت خواہ اس کی نوعیت تخلیقی ہو یا اس سے مختلف، ایک قسم کی تحدید ہے جس کے بغیر بہ طور ایک فی الواقعہ، موجود اور فعال انا کے، ہم ذات الہیہ کا تصور ہی نہیں کر سکتے، مجرد نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی قدرتِ کاملہ عبارت ہوگی ایک اندھا دھند اور بے راہ قوت سے، جس پر کسی پہلو سے کوئی حد قائم نہیں ہوتی حالاں کہ قرآن مجید نے بہ صراحت کہا ہے کہ عالمِ فطرت باہم دگر مربوط قوی کا ایک نظام ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ میں اس کی حکمت کا بڑا دخل ہے۔ اس کی لا انتہا اور لامحدود طاقت کا اظہار کسی بے راہ اور مَن مانے طریق پر نہیں ہوتا اس میں ایک اصول یک باقاعدگی، ایک نظم اور ایک ترتیب کارفرما ہے۔ مزید براں قرآن مجید کا یہ بھی تو ارشاد ہے کہ جو بھی خیر ہے وہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

(تشکیلِ جدید، ص۔۱۲۱۔)

اس عبارت کے حوالے سے تشکیل میں اس موقع پر حاشیے میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۵ کا حوالہ دیا گیا ہے (جو دراصل ۲۶ ہے) جس کا ترجمہ و تفسیر یوں ہے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۶)

ترجمہ: کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور

Marfat.com

جسے چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۳۔۲۶)

تفسیر: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ سے اس طرح عرض کیجیے۔ اے اللہ ہمیں نیکی کے راستے پر چلا، اے تمام ملک کے مالک آپ ملک کا جتنا حصہ جس کو چاہیں دے دیتے ہیں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو اور جسے چاہیں مثلاً فارس و روم، دے دیتے ہیں اور جسے چاہیں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت دے دیتے ہیں اور عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں اور اہلِ فارس اور روم کو رسوا کر دیتے ہیں، عزت و ذلت، بادشاہت اور مال غنیمت۔ نفرت و دولت آپ کے قبضہ قدرت میں ہے اور آپ بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن عباس۔ جلد اول۔ ص ۱۸۰)

تشکیلِ جدید میں صرف اسی آیت کا حوالہ ہے جب کہ اسی عبارت کے انگریزی متن میں مزید آیات کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جن کا ترجمہ یوں ہے۔ پہلے عالم فطرت کے مربوط ہونے کے بارے میں سورہ الملک کی آیات ۳، ۴ پیش کی گئی ہیں۔ پھر عزت و مرتبے اور ذلت کے حوالے سے آیات دی ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (۳) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (٤)

ترجمہ: اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (اے دیکھنے والے) کیا تو وہ (خدائے) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی نقص دیکھتا؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔ (۶۷: ۳، ۴)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ

Marfat.com

الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۶)

ترجمہ: کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے، اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۶:۳)

وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى
اللّٰهِ لا اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ج يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَ
اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۷۳) لا ج

ترجمہ: اور اپنے دین کے پیرو کے سوا کسی اور کا قائل نہ ہونا (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ہدایت تو خدا ہی کی ہدایت ہے (وہ یہ بھی کہتے ہیں) یہ بھی (نہ ماننا) کہ جو چیز تم کو ملی ہے ویسی کسی اور کو ملے یا وہ تمھیں خدا کے روبرو قائل و معقول کر سکیں گے یہ بھی کہہ دو کہ بزرگی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا کشائش والا (اور) علم والا ہے۔ (۷۳:۳)

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ
اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۲۹) ع

ترجمہ: (یہ باتیں) اس لیے (بیان کی گئی ہیں) کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ خدا کے فضل پر کچھ قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ خدا کا فضل خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۲۹:۵۷)

بشر، انسان اور آدم

''بہ حیثیت ایک ذی روح، انسان کی آفرینش کا جہاں ذکر آیا ہے، قرآن

Marfat.com

پاک نے اس کے لیے 'بشر' اور 'انسان' کے الفاظ استعمال کیے ہیں 'آدم' کا لفظ استعمال نہیں کیا لفظ آدم سے مقصود تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ انسان کے اندر نیابت الہیہ کی صلاحیت موجود ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۲۵)

آیات سورہ بقرہ :

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۳۰) وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۳۱)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمھارے پرودگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کا نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے (آدم کو سب چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ (۳۱،۳۰:۲)

قرآن مجید میں قصہ آدم کا مقصد

یہ ساری بحث قرآن مجید میں بیان کردہ قصہ آدم کے حوالے سے ہے اور اس میں قرآن کا نقطۂ نظر بیان کیا ہے اس طرح کے قصص بیان کرنے کا مقصد علامہ کے نزدیک کسی عالم گیر حقیقت کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔

''قرآن مجید میں جب کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے تو اس سے مقصد بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ کسی تاریخی واقعے کا ذکر کیا جائے۔ اس سے عام طور پر کوئی

Marfat.com

عالم گیر اخلاقی سبق دیا جاتا یا کوئی عالم گیر فلسفیانہ حقیقت اُجاگر کی جاتی ہے۔لہٰذا قرآن پاک نہ تو افراد کے ناموں کا ذکر کرتا ہے نہ مقامات کا۔"

(تشکیل جدید۔ص ۱۲۳)

"قرآن پاک کا اس قصے سے کچھ اور ہی مقصد ہے۔لہٰذا قرآن پاک نے وہ تمام اسمائے معرفہ حذف کر دیئے ہیں جو عہد نامہ عتیق کی اس روایت میں مذکور ہیں۔آدم، حوا تا کہ اس کی نگاہیں جس حقیقت پر ہیں اس کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہے۔آدم کا لفظ بے شک حذف نہیں ہوا لیکن یہاں اس کا اشارہ کسی مخصوص انسان کی طرف نہیں اس کی حیثیت ایک تصور کی ہے جس کی تائید قرآن پاک ہی سے ہو جاتی ہے اور جس کا ذیل کی آیت ایک قطعی اور واضح ثبوت ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص۔۱۲۶)

یہاں سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۱ پیش کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (۱۱)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا، پھر تمھاری صورت شکل بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس نے، کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔(۷۔۱۱)

تفسیر: خلق کا لغوی مفہوم کسی چیز کا خاکہ (design) بنانا ہے یہ لفظ قرآن میں تنہا بھی استعمال ہوا ہے اور بعض جگہ اپنے دوسرے لوازم و متعلقات مثلاً بر، تسویہ، ترکیب اور تصویر کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جہاں یہ تنہا استعمال ہوا ہے وہاں یہ اپنے تمام لوازم و متعلقات کے ساتھ آیا ہے جیسے یہاں۔خلقنا کم کے بعد، صورنا کم بھی آیا ہے تو ایسے مواقع میں یہ اپنے اصل لغوی مفہوم ہی میں استعمال ہوا ہے، یہاں خلق اور تصویر کے دو لفظوں نے تخلیق کی ابتدائی اور انتہائی حدیں واضح کر دیں، ہر مخلوق کا مرحلہ ابتدائی تو یہ ہے کہ اس کا خاکہ بنا اور اس

Marfat.com

کا آخری تکمیلی مرحلہ یہ ہے کہ اس کی صورت گری ہوئی ہے اور اس کے ناک نقشے اور نوک پلک درست ہوئے۔

یہاں مخاطب جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، قریش ہیں اور بیان ان کے سامنے انسانی تخلیق اور ان آزمائشوں کا ہو رہا ہے جو انسان کے مقدر کی گئی ہیں۔ حضرت آدمؑ تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اس وجہ سے ان کی سرگزشت تنہا انھی کی نہیں بل کہ پوری نسل انسانی کی سرگزشت ہے۔ (تدبر قرآن۔ جلد سوم۔ ص ۲۳۰)

قصہ آدم کی حکایتیں

''قرآن مجید نے اس قصے کو دو الگ الگ حکایتوں میں تقسیم کر دیا ہے ایک جس میں صرف 'الشجرہ' کا ذکر آیا ہے، دوسری وہ جس میں 'شجرۃ الخلد' اور ملک لا یبلیٰ کا۔ پہلی حکایت ساتویں اور دوسری بیسویں سورہ میں ملے گی۔''

(تشکیلِ جدید، ص ۱۲۶)

حوالہ سورہ۔ اعراف:

وَ یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۱۹)

ترجمہ: اور (ہم نے) آدم (سے کہا) تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو (اور جو چاہے) نوشِ جاں کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے۔ (۱۹:۷)

سورہ طٰہٰ :

فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰی (۱۲۰)

ترجمہ: تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو (۱۲۰:۲۰)

Marfat.com

زمین انسان کا مستقر

''عہد نامہ عتیق نے آدم کے جرم نافرمانی کی بنا پر زمین کو ملعون ٹھہرایا۔ برعکس اس کے قرآن مجید کے نزدیک وہ انسان کا مستقر اور متاع ہے، جس کے لیے اسے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے''۔ (تشکیل جدید۔ ص۱۲۶)

یہاں مستقر و متاع کے حوالے سے حاشیے میں پہلے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۶ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۳۶)

ترجمہ: پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس عیش و نشاط میں تھے اس سے اُن کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ (۳۶:۲)

اس کے بعد دوسرا حوالہ سورہ اعراف سے دیا گیا ہے :

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۲۴)

ترجمہ: (خدا نے) فرمایا (تم سب بہشت سے) اُتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین میں ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے (۲۴:۷)

اس کے ساتھ ہی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۰ دی گئی ہے (تشکیل میں ۹ ہے جو درست نہیں۔)

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (۱۰)ع

Marfat.com

ترجمہ: اور ہم ہی نے زمین میں تمھارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمھارے لیے سامانِ معیشت پیدا کیے (مگر) تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ (۷۔۱۰)

تفسیر: تمکین فی الارض سے مراد زمین میں اختیار و اقتدار بخشنا ہے (اور اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں اختیار و اقتدار بخشا ہے) ارض اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن خطاب چوں کہ قریش سے ہے اس وجہ سے اس سے مراد یہاں سرزمینِ حرم ہے جس میں قریش کو اختیار و اقتدار حاصل تھا، معایش سے اشارہ ان کی معاشی سہولتوں اور برکتوں کی طرف ہے جو ایک وادی غیر ذی زرع میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بیت اللہ کی برکت سے اہلِ عرب کو عموماً اور قریش کو خصوصاً حاصل ہوئیں، قرآن میں ان برکتوں اور نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر ہوا ہے۔ (تدبر قرآن، جلد سوم، ص ۲۲۸)

انگریزی متن میں یہاں مزید دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے :

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۹) وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ (۲۰)

ترجمہ : اور زمین کو بھی ہم ہی نے پھیلایا اور اس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیے اور اس میں ہر ایک چیز اُگائی۔ اور ہم نے تمھارے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے، اس میں معاش کے سامان پیدا کیے۔

(۱۵:۱۹، ۲۰)

انسان زمین میں اجنبی نہیں

"پھر اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ لفظ جنت (باغ) کا اشارہ یہاں اس فوق الحواس بہشت کی طرف ہے جس سے کہا جاتا ہے انسان زمین پر آ گرا تھا۔ قرآن پاک نے کہیں نہیں کہا کہ انسان کی حیثیت اس میں اجنبی کی ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۲۷) آیت سورہ نوح :

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۱۷)"

Marfat.com

ترجمہ: اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔(۱۷۔۷۱)

تفسیر: یعنی تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزارتا ہوا تمھیں موجودہ حالت پر لایا پہلے تم ماں اور باپ کی صلب میں الگ الگ نطفوں کی شکل میں تھے، پھر خدا کی قدرت ہی سے یہ دونوں نطفے ملے اور تمھارا استقرارِ حمل ہوا، پھر نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں بہ تدریج نشوونما دے کر تمھیں پوری انسانی شکل دی گئی اور تمھارے اندر تمام وہ قوتیں پیدا کی گئیں جو دنیا میں انسان کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تمھیں درکار تھیں۔ (تفہیم القران، جلد ششم، ص ۱۰۲)

جنت کی تعریف؟

”یہ جنت جس کا اس قصے میں ذکر آیا ہے نیکوکاروں کا وہ مسکن نہیں جہاں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے، کیوں کہ ان معنوں میں جہاں کہیں جنت کا ذکر آیا ہے اس کی تعریف قرآن مجید نے ان الفاظ میں کی ہے۔“ (تشکیل جدید۔ص ۱۲۷)

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ (۲۳)

ترجمہ آیت: وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب جھپٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ ہذیان سرائی ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات۔(۵۲۔۲۳)

تفسیر: یعنی شراب طہور کا دور چلے گا تو جنتی بہ طور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا چھپٹی کریں گے لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی، نشہ، بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا، نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

مزید یہاں سورہ الحجر کی آیت نمبر ۴۸ بھی دی گئی ہے :

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ (۴۸)

ترجمہ: نہ ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔(۱۵:۴۸)

تفسیر: اور دنیا میں آپس میں جو کینہ وغیرہ تھا ہم اس کو ان کے دلوں سے دور کر دیں

Marfat.com

گے، آخرت میں سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے، ایک دوسرے کی زیارت کے لیے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے جنت میں ان کو ذرا بھی تکلیف اور مشقت نہ پہنچے گی۔ (تفسیر ابن عباس۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۸)

تفسیر: حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت اب تمھارے لیے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو، کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے، ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف اُٹھانی نہ پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

قصہ آدم میں بیان کردہ جنت کا مفہوم

> "لیکن وہ جنت جس کا ذکر اس قصے میں آیا ہے، اس میں تو انسان نے سب سے پہلے گناہ ہی کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں اسے وہاں سے نکال دیا گیا، دراصل قرآن مجید جہاں کہیں کوئی لفظ استعمال کرتا ہے، وہیں اس کے معنی بھی بیان کر دیتا ہے چناں چہ آگے چل کر اسی قصے کی دوسری حکایت میں اسی باغ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص، ۱۲۷)

سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۸۔۱۱۹

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى (۱۱۸) وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى (۱۱۹)

ترجمہ: یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ (۲۰: ۱۱۸۔۱۱۱۹)

تفسیر: انسان کی یہ ہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا پینا، پہننا اور رہنے کے لیے مکان جس میں دھوپ بارش کا بچاؤ ہو، جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں، ہر طرح راحت ہی راحت ہے۔ ع بہشت آں جا کہ آزارے نباشد۔ یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا گیا صرف تکلیفوں کی نفی کی شاید متنبہ کرنے کے لیے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اُٹھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۲۶)

Marfat.com

علامہ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں :

''اس لیے مَیں سمجھتا ہوں قرآن پاک کی اس روایت میں لفظ جنت کا اشارہ حیاتِ انسانی کے اُس ابتدائی دور کی طرف ہے جس میں انسان کا اپنے ماحول سے ابھی عملاً کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا اور جس میں وہ اس تکلیف دہ احساس سے بے خبر تھا جو اپنی ضروریات میں محتاجی کو دیکھتے ہوئے ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے، لیکن جو گویا تمہید ہے تہذیب و تمدن کی۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۲۷)

ابتدائی جنت کا تصور :

''اور اس لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ قرآن پاک کی اس روایت میں لفظ جنت کا اشارہ حیاتِ انسانی کے اس ابتدائی دور کی طرف ہے جس میں انسان کا اپنے ماحول سے عملاً کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا وہ اس تکلیف دہ احساس سے بے خبر تھا جو اپنے ضروریات میں محتاجی کو دیکھتے ہوئے ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ گویا تمہید ہے تہذیب و تمدن کی۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۲۷)

انسان کا گناہ معاف کر دیا گیا

''یوں بھی قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں کہ کرہ ارض ایک دارلعذاب ہے جہاں انسان کا خمیر ہی بدی سے اٹھایا گیا ہے۔ کسی اولین گناہ کی پاداش میں قید و بند کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ برعکس اس کے اس کی پہلی نافرمانی وہ پہلا اختیاری عمل تھا جو اس نے اپنے ارادے اور مرضی سے کیا اور یہی وجہ ہے کہ ارشاد قرانی کے مطابق آدم کا گناہ معاف کر دیا گیا۔'' (تشکیل جدید۔ ص۔ ۱۲۸)

حوالہ سورہ بقرہ آیت ۳۷۔ تشکیلِ جدید کے حاشیے میں صرف آیت نمبر ۳۷ کا حوالہ ہے لیکن انگریزی متن میں ۳۵، ۳۶، ۳۷ کا حوالہ ہے اور اس کے علاوہ سورہ کی آیت ۱۲۰، ۱۲۲ کا بھی حوالہ ہے۔

Marfat.com

قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (٣٥) فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (٣٦) فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (٣٧)

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا، تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔

(۲:۳۵، ۳۶، ۳۷)

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (١٢٠) فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (١٢١) ص صلے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى (١٢٢)

ترجمہ: تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ آدم بھلا میں تم کو ایسا درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے گا) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ تو دونوں نے درخت کا پھل کھا لیا تو اُن پر

Marfat.com

اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے
لگے اور آدمؑ نے پروردگار کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب) سے بے راہ ہو
گئے۔ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور
سیدھی راہ بتائی۔ (۲۰: ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

تفسیر: حضرت آدمؑ کو وہ کلمات سکھائے گئے اور انھوں نے سیکھ لیے یا ان کو بہ طور الہام بتائے گئے تاکہ یہ کلمات حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کے لیے توبہ کا ذریعہ ہوں، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی کو معاف کر دیا اور جو شخص بھی توبہ کی حالت میں مرجائے اللہ تعالیٰ اس کی غلطی معاف کرنے والے ہیں۔ (تفسیر ابنِ عباس۔ جلد اول۔ ص۔ ۴۷)

انسان کی تخلیق، احسن تقویم، اسفل السافلین

" اگر انسان خیر کا انتخاب کر سکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی ضد یعنی شر کا انتخاب کر لے۔ لہٰذا اگر مشیت ایزدی یوں ہی تھی کہ اس طرح کا خطرہ برداشت کر لیا جائے تو اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ خدا کو اپنے بندوں پر کس قدر اعتماد ہے، اندریں صورت انسان کا بھی فرض ہے کہ اس اعتماد پر پورا اُترے، یوں بھی جس ہستی کی تخلیق" احسن تقویم،، پر ہوئی، مگر جسے پھر اسفل السافلین میں لوٹا دیا گیا" (تشکیلِ جدید، ص۔ ۱۲۹) حوالہ۔
(آیت سورہ والتین۔)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (٤) ز ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (٥)

ترجمہ: ہم نے انسان کو کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، پھر (رفتہ رفتہ) اس (کی حالت) کو (بدل کر) پست کر دیا۔ (۹۵۔ ۴، ۵)

تفسیر: ہم نے انسان کو کو بہت خوب صورت سانچہ میں ڈھالا ہے اور پھر ہم آخرت میں اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے، مثلاً ولید بن مغیرہ اور کلدہ کافر، یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اولادِ آدم کو عمدہ سانچہ میں ڈھالا ہے پھر وہ اپنی جون پوری کر لیتا ہے تو اسے پستی کی عمر کی

Marfat.com

طرف لوٹا دیتے ہیں اب وہی نیکیاں کار آمد ہوتی ہیں جو وہ اپنی جوانی میں کر چکا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن عباس، جلد سوم، ص ۴۸۳)

انسان کی مخفی قوتوں کی تربیت

اس کی (انسان کی) مخفی قوتوں کی تربیت کچھ یوں ہی ممکن تھی کہ اس طرح کا خطرہ (جو اُوپر بیان ہوا ہے) برداشت کرلیا جاتا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے (تشکیل جدید۔ص ۱۲۹)
(یہاں سورہ انبیا کی آیت ۳۵ کا ایک حصہ دیا گیا ہے، تشکیلِ جدید میں ۳۶ درست نہیں)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (۳۵)

پوری آیت کا ترجمہ: ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔ (۲۱۔۳۵)

تفسیر: یہ آیہ مبارکہ کفار کے جواب کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ بد بخت آپ کے انتقال فرما جانے کے منتظر تھے اور اس کی خوشیاں مناتے تھے، موت تو ایسی چیز ہے کہ تم میں سے ہر جان دار موت کا مزا چکھے گا اور ہم تمھیں سختی اور فراخی سے آزماتے ہیں، یہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے آزمائش ہیں اور مرنے کے بعد پھر تم سب ہماری طرف چلے آؤ گے اور ہم تمھیں تمھارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

آدم کی فرشتوں پر برتری

''پہلی حکایت کے سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید میں جب اس پہلو سے کہ آدم کو اشیا کے نام معلوم ہیں، فرشتوں پر اس کی برتری ظاہر کی گئی۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۲۹، ۱۳۰)

یہاں انگریزی متن میں سورہ البقرہ کی دو آیات کا حوالہ ہے:

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ

Marfat.com

فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (۳۱)
قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ
الۡحَكِيۡمُ (۳۲) قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ
بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ
الۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ (۳۳) وَ
اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى
وَاسۡتَكۡبَرَ زق وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ (۳٤)

ترجمہ: اوراس نے (آدم کوسب چیزوں کے) نام سکھائے پھران کوفرشتوں کے سامنے کیااورفرمایا کہ اگرتم سچے ہوتوان چیزوں کے نام بتاؤ۔انھوں نے کہاتوپاک ہے جتناعلم تونے ہمیں بخشاہےاس کے سواہمیں کچھ معلوم نہیں تو (دانااور) حکمت والا ہے۔ (تب) خدانے (آدمؑ) حکم دیا کہ آدمؑ تم ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کے نام بتائےتو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں مَیں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مَیں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتاہوں جوتم ظاہر کرتے ہواور جو پوشیدہ کرتے ہو ہر چیز مجھ کومعلوم ہےاور جب ہم نے فرشتوں کوحکم دیا کہ آدمؑ کے آگے سجدہ کروتو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیااورغرور میں آکر کافر بن گیا۔ (۲:۳۱،۳۲،۳۳،۳۴)

ہبوطِ آدم کی دوسری حکایت

''ان آیات میں جیسا کہ ہم اس سے پہلے عرض کر آئے ہیں، یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ علم انسانی کی نوعیت تصوری ہے۔ دوسری یہ کہ مادام تساو نے جنھیں قدیم رمزیت واشاریت پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ اپنی کتاب عقیدہ مخفیہ میں بتایا ہے کہ قدما کے نزدیک شجرراز کی علامت تھاجسے علوم خفیہ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ لہٰذا آدم کودرخت کا پھل چکھنے سے روکا گیاتو

Marfat.com

اس لیے کہ بہ سبب اپنی متناہیت ذات، علیٰ ہذا بہ سبب ان اعضائے حس کے جو اسے عطا ہوئے، اور ایسے ہی بہ سبب اپنی ذہنی قوتوں کے وہ ایک دوسری قسم کے علم کا اہل تھا، یعنی اس علم کا جو نتیجہ ہے صبر آزما مشاہدے کا اور جس میں رفتہ رفتہ ہی اضافہ ممکن۔ لیکن شیطان نے اسے ورغلایا کہ علم خفی کے شجر ممنوعہ کا پھل چکھے اور آدم اس کے ورغلانے میں آ گیا۔ اس لیے نہیں کہ شر اس کی سرشت میں داخل ہے بل کہ اس لیے کہ وہ فطرتاً عجول ہے۔''

(تشکیل ص ۱۳۰)

یہاں لفظ عجول کے حوالے سے حاشیے میں دو آیات کا حوالہ دیا ہے:

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (۱۱)

ترجمہ: اور انسان اس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔ (۱۷:۱۱)

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (۳۷)

ترجمہ: انسان (کچھ ایسا جلد باز ہے کہ گویا) جلد بازی ہی سے بنایا گیا ہے، میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم جلد بازی نہ کرو۔

(۲۱:۳۷)

اسی حاشیے میں ایک تفصیلی نوٹ دیا گیا ہے جس میں دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا ترجمہ پہلے شامل کر لیا گیا ہے۔

قصہ آدم میں تشکیل کی مزید عبارت

وہ چاہتا ہے کہ علم کی منزلیں عجلت میں طے کر لے، لہٰذا اس کا یہی رجحان ہے جس کو صحیح راستے پر ڈالنے کی ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ اس کی پرورش کسی ایسے ماحول میں ہو جہاں دکھ درد کی تکلیف کے باوجود اسے اپنی ذہنی قوتوں کے اظہار کا موقع ملتا رہے۔ گویا آدم کو

Marfat.com

ایک تکلیف دہ ماحول میں رکھا گیا تو سزا کے طور پر نہیں بل کہ شیطانؑ کے ارادوں کو شکست دینے کے لیے، جو انسان کا دشمن ہے اور جس نے کمال سیاست سے کوشش کی کہ اسے مسلسل نشو ونما اور افزائش ذات کی لذتوں سے محروم کر دے۔ اب ایک متزاحم ماحول میں نفس متناہیہ کی زندگی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ خود اپنے تجربات کی بدولت اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے۔ مگر پھر نفسِ متناہیہ کے ان تجربات میں جس کے سامنے ایک نہیں کئی امکانات ہوں، وسعت پیدا ہو گی تو امتحان اور آزمائش، غلطی اور خطا کے ذریعے، لہٰذا غلطی یا خطا بھی، باوجودیکہ اس کو ہمیں ایک قسم کے ذہنی شر سے تعبیر کرنا پڑے گا، حصول تجربات میں ناگزیر ہے، رہی ہبوط آدم کے سلسلے میں قرآن مجید کی دوسری حکایت، سو اس کا بیان اس طرح آیا ہے۔'' (تشکیل جدید۔ ص ۱۳۰)

اس طویل اقتباس کے بعد علامہ نے سورہ طہٰ کی آیات ۔۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱ تا ۱۲۲۔ کا حوالہ دیا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (۱۲۰) فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَ عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (۱۲۱) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى (۱۲۲)

ترجمہ: تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمر دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ تو دونوں نے اس کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتلائی۔ (۲۰۔ ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

Marfat.com

تفسیر: اگر چہ آدم علیہ السلام کا یہ عمل شرعی قانون کی رو سے گناہ میں داخل نہیں تھا لیکن آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول اور مقربین خاص میں سے ہیں اس لیے ان کی ادنیٰ لغزش کو بھی بھاری لفظوں میں عصیان کہہ کر تعبیر کیا گیا اور اس پر عتاب کیا گیا اور لفظ غوی دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے ایک معنی زندگی کے تلخ ہو جانے اور عیش خراب ہو جانے کے ہیں۔ دوسرے گم راہ ہو جانے یا غافل ہو جانے کے، ائمہ تفسیر۔ قشیری، اور قرطبی وغیرہ سے اس جگہ لفظ غوی کے پہلے معنی ہی کو اختیار کیا ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو جو عیش جنت میں حاصل تھا وہ نہ رہا، زندگی تلخ ہو گئی۔ (معارف القرآن۔ جلد ششم۔ ص ۱۴۶)

۲۔ یعنی جب حکمِ الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے، اسی کو غوایت وعصیان سے تغلیظاً تعبیر فرمایا۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا، بل کہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی۔ خلعت قبول سے نوازا اور بیش از بیش مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوش نودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۲۷)

> ''اب زندگی عبارت ہے ایک مخصوص اور معین شکل و ہیت، علیٰ ہذا ایک موجود محسوس انفرادیت سے جس کا اظہار لاتعداد شکلوں میں ہو رہا ہے اور جن میں ذاتِ حقیقی اپنے وجود کی لامتناہی وسعتوں کا انکشاف کر رہی ہے۔ لیکن پھر اس طرح کی انفرادیتوں کا پے در پے ظہور اور افزائش جن میں ہر ایک کی نظر اس بات پر ہے کہ اپنے ہی ممکنات کو بروئے کار لائے اور اپنے ہی غلبے کی سعی کرے، اس خوف ناک جدوجہد کا سرچشمہ بھی ہے جو قرن ہا قرن سے جاری ہے ارشادِ قرانی بھی یہی ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۳۲)

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۳۶)

ترجمہ: پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط)

Marfat.com

میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا، تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانہ اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ (۲:۳۶)

انگریزی متن میں یہاں مزید دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے:

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ (٢٤)

ترجمہ: (خدا نے) فرمایا (تم سب بہشت سے) اُتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین میں ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے (۷:۲۴)

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۥ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (١٢٣)

ترجمہ: فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اُترو۔ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گم راہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ (۲۰:۱۲۳)

امانت کا تصور

''لہٰذا ان باہم دگر متخالف اور متزاحم انفرادیتوں کا یہی تصادم وہ عالم گیر دکھ درد ہے جس سے اس کی چند روزہ زندگانی کا راستہ تاریک بھی ہو جاتا ہے اور منور بھی۔ لیکن انسان کے معاملے میں تو زندگی کی اس الم ناک داستان نے جس کی انفرادیت پختہ در پختہ ہو کر شخصیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس کے لیے خطا اور غلطی کے ایک نہیں کئی راستے ہیں اور بھی درد انگیز شکل اختیار کر لی ہے۔ مگر پھر زندگی کو بہ طور ایک ذات یا خودی کے قبول کرنا ان

Marfat.com

سب خامیوں کو قبول کرنا ہے جو اس کی متناہیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ شخصیت کا یہ بارِ گراں ایک امانت ہے جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا مگر جسے انسان نے خود اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اُٹھایا۔" (تشکیل جدید۔ص ۱۳۲)

یہاں علامہ نے سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ کا حوالہ دیا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (۷۲) لا

ترجمہ: ہم نے بارِ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اُسے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (۳۳۔۷۲)

تفسیر: اور ہم نے بارِ امانت یعنی اطاعت وعبادت آسمان والوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے علی وجہ الاختیار والتخصیص پیش کی تھی تو انھوں نے خوفِ عذاب کی وجہ سے احتمالِ ثواب سے بھی دست برداری کی اور اس کی ذمہ داری لیتے ڈر گئے اور (انسان) حضرت آدم نے بہ وجہ اس ثواب وعذاب کے اس ذمہ داری کو اپنے ذمہ لے لیا وہ اس ذمہ داری لینے میں یا یہ کہ درخت میں سے کھانے کے بارے میں ظالم اور اس کے انجام سے لاعلم تھے۔ (تفسیر ابن عباس، ص ۷۰)

تفسیر: میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا، جس کو مابہ التکلیف بھی کہہ سکتے ہیں ------۔ اسی نگہ داشت اور تردد کرنے ایمان کا درخت اُگتا ہے، گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے بارش برسانے کے لیے رحمت کے بادل بھی اسی نے بھیجے جن کے سینوں میں وحی الٰہی کی بارش ہوئی، آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بل کہ پوری سعی وجہد اور تردد وتفقد سے اس کی پرورش کرے، مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے

Marfat.com

درخت اُگنے کے بیج سوختہ ہو جائے، اسی کی طرف اشارا ہے ۔۔۔۔ حذیفہ کی اسی حدیث میں ۔۔۔۔ یہ امانت وہی تخمِ ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہہ نشیں کیا گیا۔ پھر علومِ قرآن وسنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اُگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۵۶۹)

تفسیر: اس جگہ امانت سے مراد وہی خلافت ہے جو قرآن مجید کی رو سے انسان کو زمین پر عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو طاعت اور معصیت کی جو آزادی بخشی ہے اور اس آزادی کو استعمال کرنے کے لیے اسے اپنی بے شمار مخلوقات پر تصرف کے جو اختیارات عطا کیے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار قرار پائے اور اپنے صحیح طرزِ عمل پر اجر کا اور غلط طرزِ عمل پر سزا کا مستحق بنے، یہ اختیارات چوں کہ انسان نے خود حاصل نہیں کیے۔ بل کہ اللہ نے اسے دیے ہیں اور ان کا صحیح وغلط استعمال پر وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہے، اس لیے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ان کو خلافت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں انھی کے لیے امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۱۳۶)

> ''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امانت کے اس بارِ گراں کو جس میں ظاہر ہے ایک نہیں کئی مصیبتیں ہیں کیا ہم اُٹھانے سے انکار کر دیں؟ قرآن مجید کے نزدیک تو انسان ہونا نام ہی اس بات کا ہے کہ ہر قسم کی سختیاں اور مصائب برداشت کیے جائیں۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۳۴)

یہاں حاشیے میں اس حوالے سے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ

Marfat.com

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ
حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ (۱۷۷)

ترجمہ: نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روزِ آخرت پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں۔ (۲:۱۷۷)

انگریزی متن میں مزید ایک آیت کا حوالہ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۫ وَ اتَّقُوا
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۰۰) ۟

ترجمہ: اے اہلِ ایمان (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور خدا سے ڈرو تا کہ مراد حاصل کرو۔ (۳:۲۰۰)

"یہ دوسری بات ہے کہ ارتقائے ذات کے جس مرحلے سے ہم اب گزر رہے ہیں، اس میں ضبط تو نظم کا حقیقی منشا سمجھنے سے قاصر ہیں جو دکھ درد کے پیشِ نظر مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ممکن ہے اس سے مقصود یہ ہو کہ ہم اپنی خودی میں استحکام پیدا کریں اور یوں ہلاکت اور فنا سے محفوظ رکھیں۔ لیکن پھر یہی مرحلہ جس میں ہم فکرِ محض کی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، کیوں کہ یہیں پہنچ کر ہمارا یہ ایمان کہ انجام کار غلبہ خیر ہی کو ہوگا، ایک مذہبی عقیدے کی شکل

Marfat.com

اختیار کر لیتا ہے۔" (تشکیل جدید۔۱۳۳) یہاں سورہ یوسف کی آیت ۲۱ کے آخری حصے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے:

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۲۱)

ترجمہ: اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے (جس کا نام زلیخا تھا) کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو، عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائیں۔ اور خدا اپنے کام میں غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱۲۔۲۱)

حقیقتِ دعا

"لہٰذا دعا خواہ انفرادی ہو، خواہ اجتماعی، ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے۔ یہ انکشاف و تجسس کا عدیم المثال عمل ہے جس میں طالب حقیقت کے لیے نفی ذات ہی کا لمحہ اثباتِ ذات کا لمحہ بن جاتا ہے اور جس میں وہ اپنی قدر و قیمت سے آشنا ہو کر بجا طور پر سمجھتا ہے کہ اس کی حیثیت کائنات کی زندگی میں سچ مچ ایک فعال عنصر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس انسانی کی اس روش کے پیشِ نظر جو دعا میں اختیار کی جاتی ہے، اسلام نے صلوٰۃ میں نفی و اثبات دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی۔ مگر پھر یہ دیکھتے ہوئے کہ دعا یا عبادت کا تعلق دراصل انسان کے باطن اور ضمیر سے ہے اور اس لیے اس کی شکلیں بھی، جیسا کہ تاریخ سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، مختلف، اسلام کا کہنا ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۳۹)

Marfat.com

یہاں جو آیات دی گئی ہیں تشکیلِ جدید میں ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ تاہم یہ سورہ الحج کی آیات ۶۷، ۶۸، ۶۹ ہیں:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (٦٧) وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (٦٨) اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (٦٩)

ترجمہ: ہم نے ہر ایک امت کے لیے ایک شریعت مقرر کردی ہے کہ جس پر وہ چلتے ہیں تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑا کریں اور تم (لوگوں) اپنے پروردگار کی طرف بلاتے ہو، بے شک تم سیدھے رستے پر ہو۔ اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ جو تم عمل کرتے ہو، خدا ان سے خوب واقف ہے۔

(۲۲۔۶۷، ۶۸، ۶۹)

تفسیر: تمام انبیاء اصول دین میں متفق رہے ہیں، البتہ ہر اُمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں، جن کے موافق وہ اُمتیں خدا کی عبادت بجالاتی ہیں، اس اُمتِ محمدیہ کے لیے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ ایک ہی رہا۔ بہ جز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی اس لیے توحید وغیرہ کے متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال میں زیبا نہیں، جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں گی تو آپ کچھ پروانہ کریں، آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیے اور خواہ مخواہ جھگڑا نکالنے والوں کا معاملہ خدا کے سپرد کیجیے وہ خود ان تمام حرکات سے واقف ہے۔ قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی۔ ص ۴۵۳)

عبادت کی شکل قابلِ بحث امر نہیں

''لہٰذا عبادت کی شکل کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس سے ہم انسانوں میں بحث و نزاع کا دروازہ کھل جائے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۳۹)

Marfat.com

یہاں انگریزی متن میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (لیکن یہ آیت اس سے متعلق نظر نہیں آتی)

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (۱۹)

ترجمہ: دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے اور اہلِ کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔ اور جو شخص خدا کی آیتوں کو نہ مانے تو خدا جلد حساب لینے والا اور (سزا دینے والا) ہے۔ (۱۹:۳)

''کیوں کہ جہاں تک اس کی روح کا تعلق ہے، یہ غیر ضروری سی بات ہے کہ اس میں ہم نے اپنا منہ کس طرف پھیرا۔ قرآن مجید کا واضح اور صاف وصریح ارشاد ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۳۹)

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۱۱۵)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے، تو جدھر تم رخ کرو ادھر خدا ہی کی ذات ہے بے شک خدا صاحب وسعت اور باخبر ہے۔ (۲-۱۱۵)

تشکیل میں حوالہ ۲-۵۲ ہے جو درست نہیں۔

تفسیر: اب اللہ تعالیٰ قبلہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کو قبلہ معلوم نہ ہو وہ سوچ بچار کر کے جس جانب نماز میں اپنا چہرہ کر لے تو وہ نماز اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے ہو جائے گی، اور اس آیت کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب والوں کا قبلہ بیان کر رہا ہے اور وہ حرم ہے۔ تو جس مقام پر بھی نماز کی حالت میں تم اپنے چہاروں کو حرم کی طرف کر لو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کا قبلہ ہے، اللہ تعالیٰ قبلہ کے تعلق سے ان کی نیتوں سے واقف ہے۔
(تفسیر ابن عباس، جلد اول، ص ۱۷۷)

Marfat.com

اس کے بعد سورہ البقرہ کی آیت ۱۷۷ ادی ہے :

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (١٧٧)

ترجمہ: نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو ،بل کہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا کی ذات پر اور آخرت پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں خدا سے ڈرنے والے۔ (۲۔۱۷۷)

تفسیر: نیکیاں اور ایمان صرف اس کا نام نہیں کہ تم نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کر لو، ایمان تو اقرار اور تصدیق کا نام ہے اور نیکو کار وہ مومن ہے جو اللہ تعالیٰ پر مرنے کے بعد زندگی پر اور تمام کتابوں پر اور تمام انبیائے کرام پر ایمان لائے۔ اور ایمان لانے کے بعد جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں اب اللہ تعالیٰ ان کا ذکر کرتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد اصل نیکی یہ ہے کہ مال کی کمی اور خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں اور مومن یتیموں اور مساکین کو جو مانگتے نہیں اور ایسے مسافروں کو جو بطور مہمان کے آیا ہو اور سوال کرنے والوں کو

Marfat.com

اور مجاہدین کو اور غلاموں کی آزادی میں اپنا مال دے اور ان واجبات و احکام کے بعد احکام شرعیہ لوگوں پر لازم ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن عباس۔ جلد اول۔ ص ۱۰۲، ۱۰۳)

......عبدالرزاق بواسطہ معمر۔ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نیکی اسی چیز کا نام نہیں کہ مغرب یا مشرق کی طرف اپنا منہ پھیرلو۔ (تفسیر ابن عباس۔ جلد اول۔ ص۔۱۰۳)

اسلام میں عبادت کی مخصوص سمت اور اس کی ظاہری شکل

"اسلام نے عبادت کے لیے ایک مخصوص سمت انتخاب کی تو محض اس لیے کہ جماعت کے اندر ایک ہی قسم کے جذبات موجزن ہوں، بعینہٖ جس طرح اس کی ظاہرہ شکل سے مساوات اجتماعی کی حس بیدار ہوتی اور پرورش پاتی ہے، کیوں کہ صلوٰۃ باجماعت سے مقصود ہی یہ ہے کہ شرکائے جماعت میں اپنے مقام و مرتبہ یا نسلی حیثیت کا کوئی احساس باقی نہ رہے۔ نوع انسانی ایک ہے اس لیے وہ محیط بر کل ذات جس نے ہر شئے کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے اور اس کا سہارا ایک ہے لہٰذا قرآن مجید نے نسل اور قوم اور شعوب وقبائل کی تقسیم کو تعارف کا ایک ذریعہ ٹھہرایا۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۴۰) حاشیے میں سورہ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ ہے :

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱۳)

ترجمہ: لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ (۴۹۔۱۳)

Marfat.com

تفسیر: ابنِ ابی حاتم نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت بلال خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور آذان دی تو اس پر بعض لوگ کہنے لگے، کیا یہ سیاہ غلام بیت اللہ کی چھت پر آذان دیتا ہے تو اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ اپنے علاوہ دوسرے سے اللہ کو ناراض کردے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اے لوگو ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ (تفسیر ابن عباس، جلد سوم، ص ۲۷۶)

خطبات کی اس عبارت کے حوالے سے انگریزی متن میں مزید تین آیات کے حوالے دیے گئے ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۱۳)

ترجمہ: (پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تا کہ جن اُمور پر اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کردے اور اس میں اختلاف بھی ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی، باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور اختلاف انھوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو راہ دکھادی اور خدا جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔

(۲:۲۱۳)

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ط وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ

Marfat.com

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۹)

ترجمہ: اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر ایک بات اگر جو تمھارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ (۱۹:۱۰)

◆◆◆

Marfat.com

خطبہ چہارم

خودی، جبر وقدر، حیات بعد الموت

The Human Ego, His Freedom and Ammortality

قرآن نے انسان کی انفرادیت پر زور دیا ہے، قرآنی نقطہ نگاہ سے نہ تو ایک انسان دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہے نہ یہ ممکن ہے کہ اپنی کوشش سے زیادہ ملے، خودی ایک حقیقت ہے اور اگر ایک عمیق اور پختہ شخصیت پیدا کر لی جائے تو روحانی طور پر ثبات اور استحکام حاصل کر سکتی ہے، قرآن حکیم کے نزدیک ایسی وارداتِ علم کا ذریعہ ہیں۔ خدا کی تخلیقی فعلیت کے دو پہلو ہیں خلق جس کے معنی پیدا کرنے کے اور امر جس کے معنی ہدایت کے ہیں۔ قرآن حکیم واضح کرتا ہے کہ دونوں قسم کی تخلیق یعنی خلق اور امر خدا کے ہاتھ میں ہے روح کی حقیقی ماہیت کا اظہار اصطلاح امر ہی سے کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مقصد یہی ہے کہ آزادی واختیار کی قدرت خودی کی زندگی کا مستقل عنصر بن جائے، سوخودی کی زندگی اختیار کی زندگی ہے اس کا ہر عمل ایک نیا موقف پیدا کرتا ہے اور یوں انسان کو اپنی خلاقی، دریافت، ایجاد اور طباعی کے لیے نئے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اس بات کا امکان ہے کہ بعض انسان کائنات کے مقاصد میں حصہ لیتے ہوئے غیر فانی ہو جائیں مگر کائنات کے مقاصد میں وہی حصہ لے سکتے ہیں جو اپنے افعال واعمال کی شیرازہ بندی اس طور پر کریں کہ ان کی خود مستحکم ہو جائے اور وہ موت کے صدمے سے محفوظ رہیں۔ حیات بعد الموت انسان کا حق نہیں بل کہ اس کے لیے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنانا پڑتا ہے اور اس کی تحصیل کا دارومدار مسلسل جدوجہد پر ہے۔ جنت اور دوزخ کسی جگہ کا نام نہیں، انسان کے احوال ہیں۔ نہ جنت عیش وآرام کی کوئی حالت ہے اور نہ جہنم مستقل اذیت کا کوئی گڑھا، حیات ایک تسلسل ہے اور انسان خدا کی نو

Marfat.com

بہ نوتجلیات کے لیے ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے گا۔ (ملخص ۔ زندہ رود، جلد سوم، ڈاکٹر جاوید اقبال، ص ۳۷۶، ۳۷۷)

''قرآن نے ایک تو انسان کی انفرادیت اور یکتائی پر بڑے ہی سادہ اور موثر انداز میں زور دیا ہے اور پھر جیسا کہ میں سمجھتا ہوں وہ اس لحاظ سے کہ زندگی ایک وحدت ہے۔ اس کی تقدیر کا ایک خاص نظریہ قائم کرتا ہے لہٰذا بہ حیثیت ایک یکتا انفرادیت، انسان کے بارے میں اس کا یہی نظریہ ہے، جس کی بنا پر نہ تو کوئی دوسرے کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے، نہ یہ ممکن ہے کہ اسے اپنی کوشش کے سوا کچھ ملے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۴۲)

اس موقع پر حاشیے میں دونوں آیات نقل کی گئی ہیں جو سورہ والنجم کی آیات نمبر ۳۸ اور ۳۹ ہیں۔

(تشکیلِ جدید کے حاشیے میں یہی دو آیات دی گئی ہیں البتہ اس عبارت کے حوالے سے انگریزی متن میں مزید آیات دی گئی ہیں پہلے ان کا ترجمہ دیا جاتا ہے)

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۹۴)

ترجمہ: اور جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور (مال و متاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔ (۶:۹۴)

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (۸۰)

Marfat.com

ترجمہ : اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے سامنے آئے گا (۸۰:۱۹)

وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (٩٥)

ترجمہ : اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔(۹۵:۱۹)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (١٦٤)

ترجمہ : کہو کیا میں خدا کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے اور جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اس کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔(۱۶۴:۶)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (١٥)

ترجمہ : جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے، تو اپنے لیے اختیار کرتا ہے اور جو گم راہ ہوتا ہے تو گم راہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔(۱۵:۱۷)

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى

Marfat.com

فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ (۱۸)

ترجمہ : اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ ہٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔ اے پیغمبر تم ان ہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے لیے ہی پاک ہوتا ہے اور (سب کو) خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۱۸:۳۵)

اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ قف وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ ج وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۷)

ترجمہ : اگر ناشکری کرو گے تو خدا تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمھارے لیے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو بتائے گا۔ وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے۔ (۳۹:۷)

تشکیلِ جدید میں دی گئی آیات

اَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۳۸) لا وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹) لا

ترجمہ: یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ (۵۳۔۳۸،۳۹)

تفسیر: یعنی موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کے صحیفوں کا یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا، ہر ایک کو اپنی جواب دہی خود کرنا ہوگی۔۔۔۔ یعنی آدمی جو کچھ

Marfat.com

کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے، کسی دوسرے کی نیکیاں لے اڑے یہ نہیں ہو سکتا، باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو عطا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۷۰۰)

تصوف اور وارداتِ باطن کی وحدت

"یہ صرف تصوف تھا جس نے کوشش کی کہ عبادات اور ریاضت کے ذریعے وارداتِ باطن کی وحدت تک پہنچے قرآن پاک کے نزدیک یہ واردات علم کا ایک سرچشمہ ہیں۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۴۴)

انگریزی متن میں یہاں دو آیات دی گئی ہیں

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳)

ترجمہ: عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار ہر چیز پر خبردار ہے۔ (۴۱:۵۳)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۲۰) لا وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۲۱)

ترجمہ: اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمھارے نفوس ہیں۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ (۵۱: ۲۰۔۲۱)

انسان خدا کا برگزیدہ ہے

"قرآن پاک نے کفارے کا تصور رد کر دیا، چناں چہ تین باتیں ہیں جو از روئے قرآن واضح طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان خدا کا برگزیدہ ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۴۲) حوالہ آیت سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۲

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (۱۲۲)

Marfat.com

ترجمہ: پھران کے پرودگار نے ان کونوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتلائی۔(۲۰-۱۲۲)

تفسیر: یعنی حکمِ الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے، اسی کو غوایت عصیان سے تغلیظا فرمایا۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا بل کہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی، خلعت قبول سے نوازا اور بیش از بیش مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوش نودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔(تفسیر عثمانی ص ۴۲۷)

۲۔''ثانیاً یہ کہ باوجود اپنی خامیوں کے وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔''حوالہ آیت سورہ البقرہ آیت ۳۰۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۳۰)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمھارے پرودگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) ایک نائب بنانے والا ہوں، انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کا نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۲-۳۰)

تفسیر عثمانی۔ ملائکہ کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق کہ جس میں مفسد اور خوں ریز تک ہوں گے، ہم ایسے مطیع اور فرماں بردار کے ہوتے ہوئے خلیفہ بنانا، اس کی وجہ کیا ہوگی؟ تو بہ طریق استفادہ سوال کیا، اعتراض ہرگز نہ تھا۔ رہا یہ امر کہ ملائکہ کو بنی آدم کا حال کیوں کر معلوم ہوا۔ اس میں بہت سے احتمال ہیں۔ جنات پر قیاس کیا، یا حق تعالیٰ نے پہلے بتا دیا تھا، یا لوحِ

Marfat.com

محفوظ میں لکھا دیکھا، یا سمجھ گئے کہ حاکم اور خلیفہ کی ضرورت جب ہی ہوگی جب ظلم وفساد ہوگا یا حضرت آدم کے قالب کو دیکھ کر بطور قیافہ سمجھ گئے ہوں گے۔(تفسیر عثانی،ص ۸)

سورہ الانعام۔آیت ۱۶۵۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ط اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ز صلے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۶۵)

ترجمہ:اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے، بے شک تمھارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا، مہربان بھی ہے۔(۶۔۱۶۵)

تفسیر: یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اس کے دیے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوتی ہے۔یعنی تمھارے آپس میں بے حد فرق مدارج رکھا، چناں چہ شکل وصورت، رنگت، لہجہ، اخلاق وملکات، محاسن ومساوی، رزق، دولت، عزت وجاہ وغیرہ میں افرادِ انسانی کے بے شمار درجات ہیں۔یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے، ابن کثیر نے۔فی ما آتا کم۔سے وہ مختلف احوال ودرجات مراد لیے ہیں جن میں حسب استعداد ولیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔
(تفسیر عثانی،ص ۲۰۰)

۳۔''ثالثاً۔یہ کہ وہ ایک آزاد شخصیت کا امین ہے جسے اس نے خود اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر قبول کیا۔''

(حوالہ آیت سورہ احزاب۔آیت ۷۲) اس آیت کا ترجمہ وتفسیر امانت کے تصور کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔

Marfat.com

خودی کی ماہیت

''جب ہم کسی شئے کا ادراک کرتے ہیں یا اس پر حکم لگاتے ہیں یا کوئی ارادہ کرتے ہیں تو ایسا کرنے میں خودی کی زندگی اطناب کی ایک حالت ہے جس کو اس نے اپنے ماحول پر اثر آفرینی یا اس سے اثر پذیری کی خاطر پیدا کر رکھا ہے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہوگا کہ اثر آفرینی اور اثر پذیری کی اس کشمکش میں خودی کا وجود اس سے باہر رہتا ہے، ہرگز نہیں، برعکس اس کے وہ ایک راہ نما توانائی کی طرح اس میں شامل رہے گی، لہٰذا اسکے یہی تجربات اور واردات ہیں جس سے اس کی تشکیل اور اس کے نظم وضبط کا راستہ کھلتا ہے قرآن مجید میں بھی اس راہ نما وظیفے کی طرف اشارہ موجود ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۵۴) حوالہ آیت، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۵)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۸۵)

ترجمہ: اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔

(۸۵۔۱۷)

تفسیر: امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینے جا رہا تھا۔ آپ کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس ہوا وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان سے کچھ پوچھو، چناں چہ وہ بولے کہ ہم سے روح کے بارے میں بیان کیجیے، آپ یہ سن کر کچھ دیر کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنا سر مبارک اُوپر کو اٹھایا، مَیں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ وحی بند ہوگئی تو آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔ آیت؟ اور امام ترمذی نے حضرت عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم اس شخص یعنی رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں، یہودیوں نے کہا کہ آپ روح

Marfat.com

کے بارے میں دریافت کرو۔ چناں چہ قریش نے آپ سے دریافت کیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

تفسیر: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہاں روح سے مراد جان ہے یعنی لوگوں نے نبی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم سے روح حیات کے متعلق پوچھا تھا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا جواب دیا گیا کہ وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے لیکن ہمیں یہ معنی تسلیم کرنے میں سخت تامل ہے ،اس لیے کہ یہ معنی صرف اسی صورت میں لیے جاسکتے ہیں جب کہ سیاق وسباق کونظر انداز کر دیا جائے اور سلسلہ کلام سے بالکل الگ کر کے اس آیت کو ایک منفرد جملے کی حیثیت سے لیا جائے ورنہ سلسلہ کلام میں رکھ کر دیکھا جائے تو روح کو جان کے معنی میں لینے سے عبارت میں سخت بے ربطی محسوس ہوتی ہے اور اس امر کی کوئی معقول وجہ سمجھ نہیں آتی کہ جہاں پہلے تین آیتوں میں قرآن کا نسخہ شفا ہونے اور منکرین قرآن پاک کے ظالم اور کافر نعمت ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور جہاں بعد کی آیتوں میں پھر قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ،وہاں آخر کس مناسبت سے یہ مضمون آگیا ہے کہ جان داروں میں جان خدا کے حکم سے آتی ہے؟ یا وحی لانے والا فرشتہ ہی ہوسکتا ہے مشرکین کا سوال دراصل یہ تھا کہ یہ قرآن کریم تم کہاں سے لاتے ہو؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم تم سے یہ لوگ روح یعنی مآخذ قرآن یا ذریعہ حصول قرآن کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ انھیں بتادو کہ یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۶۴۰)

روح کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت مشکل ہے۔ تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے بارے میں چند نظریات پر صاف روشنی پڑھتی ہے۔ ا۔ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی چیز موجود ہے جسے روح کہتے ہیں وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم اور ارادے سے فائض ہوتی ہے۔ ۲۔ روح کی صفات علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال تک پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بے حد تفاوت وفرق مراتب ہے۔ ۳۔ مگر اس کے یہ کمالات ذاتی نہیں وہاب حقیقی کے عطا کیے ہوئے ہیں اور محدود ہیں۔ ۴۔ کتنی ہی بڑی

Marfat.com

کامل روح پر حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالاتِ سلب کر لے۔ تفسیر عثمانی، ص ۳۸۶)

خلق اور امر

''عربی زبان میں خوش قسمتی سے دو لفظ موجود ہیں ایک۔ خلق۔ اور دوسرا اَمر اور جو ان دونوں صورتوں کے لیے مخصوص ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور خلاقی کا اظہار ہم انسانوں پر ہو رہا ہے، خلق کے معنی، پیدا کرنا، اس کی ہدایت اور راہ نمائی، جب ہی تو قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ خلق اور اَمر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۵۵)

حوالہ آیت۔ سورہ اعراف۔ آیت۔ ۵۴

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّام ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا لا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (٥٤)

ترجمہ: دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (۷۔۵۴)

(پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے)۔ کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار خدا ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا اور اسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا سب اسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (۷:۵۴)

''پھر اُوپر کی آیت میں بھی جس کا حوالہ ہم ابھی دے آئے ہیں روح کی حقیقی ماہیت کا اظہار لفظ اَمر ہی سے کیا گیا ہے، کیوں کہ اس کا سرچشمہ بھی تو ذاتِ الٰہیہ ہی کی قدرت اور خلاقی ہے، گو ہم نہیں جانتے تو یہ کہ امرِ الٰہی کی کار

Marfat.com

فرمائی نے ان وحدتوں کی شکل کیوں اختیار کی جن کو ہم خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔بعینہ لفظ ربی میں بھی ضمیر متکلم کے استعمال سے خودی کی ماہیت اور کردار کی کچھ اور وضاحت ہو جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود ان تغیرات کے جو با اعتبار ایک وحدتِ خودی کی حد وسع ،توازن اور اثر آفرینی میں پیدا ہوتے ہیں ۔اس کا ایک مخصوص اور منفرد وجود ہے۔''

(تشکیلِ جدید،ص ۱۵۵)

حوالہ آیت،سورہ بنی اسرائیل۔آیت ۸۴

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا (٨٤)

ترجمہ: کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے، سو تمھارا پروردگار اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔(۱۷۔۸۴) یعنی ہر ایک کافر مومن اور معرض ومقبل اپنے اپنے طریقے ،نیت ،طبیعت اور مذہب پر چلتا ہے اور اسی میں مگن رہتا ہے،لیکن یاد رہے خدا کا علم سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہوسکتا،وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات وسکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بہ خوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس قدر کج روی اور کج راہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاو کرے گا۔(تفسیر عثمانی،ص ۳۸۶)

زمان ومکاں کی دنیا میں خودی کا صدور

''دوسرا اہم سوال جو اس بحث میں ہمارے سامنے آتا ہے یہ کہ زمان ومکاں کی اس دنیا میں خودی کا صدور کیوں کر ہوا؟ اس بحث میں بھی قرآن مجید کے ارشادات بالکل صاف اور واضح ہیں''(تشکیلِ جدید۔ص۔۱۵۶)

حوالہ آیت۔سورہ المومنون،آیات ۱۲۔۱۳

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (١٢) ۚ ثُمَّ

Marfat.com

جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ (۱۳) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (۱۴) ط

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا، تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔ (۲۳:۱۲-۱۴)

تفسیر: ابن ابی حاتم نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے چار باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی، چناں چہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے کہا کہ ہم بھی لوٹائے جائیں گے۔۔۔ فتبارک اللہ۔۔۔۔۔ تو بس یہی الفاظ قرآن کریم میں نازل ہو گئے۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد دوم، ص ۳۲۳)

انسانی خلقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تدریج و ترقی کا اہتمام اس لیے فرمایا کہ انسان کا اپنا وجود خدا کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی پروردگاری کا ایسا نشان ہو کہ آخرت کے باب میں اس کو کسی خارجی دلیل کی ضرورت باقی نہ رہے...... جہاں تک انسانی خلقت کا تعلق ہے یہ تمام مراحل معلوم و معروف ہیں ...... (تدبرِ قرآن، جلد پنجم، ص ۳۰۴)

''لہٰذا کسی نہ کسی رنگ میں دونوں کا تعلق ایک ہی نظام سے ہے 'خلق' بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور 'امر' بھی اُسی کے ہاتھ میں۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۵۹)

انگریزی متن میں یہاں درج بالا آیت نمبر ۵۴:۷ کا دوبارہ حوالہ درج ہے۔

''وہ مطلق اَنا جس کی بدولت صادر کا صدور ہوتا، فطرت میں جاری و ساری ہے بمجوائے آیہ قرانی اول و آخر بھی ہے، ظاہر و باطن بھی (تشکیلِ جدید، ص ۱۶۱)

Marfat.com

حوالہ آیت سورہ الحدید۔آیہ۳۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳)

ترجمہ: وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔(۵۷۔۳)

تفسیر: اور ہر ایک چیز پر غالب ہے اور ہر ایک ظاہر و باطن سے واقف اور باخبر ہے اور اس کے علم میں کسی کے مطلع کرنے کی حاجت نہیں یا مطلب ہے کہ وہ ہر ایک چیز سے پہلے ہے اور اس کی اولیت کی کوئی انتہا نہیں اور ہر ایک چیز کے بعد بھی ہے اور اس کے بعد رہنے کی کوئی انتہا نہیں یا یہ کہ وہ اول ہے کہ ہر ایک پہلی چیز کو اولیت عطا کرنے والا ہے اور آخر ہے یعنی ہر ایک بعد والی چیز کو اخرویت عطا کرنے والا، وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں اور وہ آخر ہے کہ سب فنا کرنے کے بعد بھی وہی رہے گا۔ (تفسیر ابن عباس۔جلد سوم۔۳۳۰)

خودی کا شعوری کردار

ہمارے شعوری کردار کی آزادی کی تائید قرآن مجید کے اس نظریے سے ہو جاتی ہے جو اس نے خودی کے اعمال و افعال کے بارے میں قائم کی، چناں چہ آیات ذیل میں اس حقیقت کی طرف قطعی اشارہ موجود ہے۔ (تشکیل جدید۔ص ۱۶۴) حوالہ آیت سورہ کہف۔ آیت ۲۹۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۗ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۗ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (۲۹)

ترجمہ: اور کہہ دو کہ (لوگو) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق

Marfat.com

ہے۔ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے، ہم نے ظالموں کے لیے (دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں ان کو گھیر رہی ہوں گی۔ اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ، بھون ڈالے منہ کو، کیا بُرا پینا اور کیا بُرا آرام۔ (۱۸:۲۹)

تفسیر: یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سنا دی گئی ہیں، کسی کے ماننے نہ ماننے کی اسے کچھ پروا نہیں۔ جو کچھ نفع نقصان ہو گا صرف تمھارا ہو گا، ماننے نہ ماننے والے دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی چہل پہل محض ہیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ بنے، وہاں محض تمول کام نہ دے گا، بل کہ جو یہاں شکستہ حال تھے وہاں عیش و آرام میں ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی، ۳۹۶)

حوالہ آیت: سورہ بنی اسرائیل۔ آیت۔ ۷۔

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا (۷)

ترجمہ: اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمھاری ہی جانوں پر ہو گا۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو (ہم نے اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمھارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اس طرح پھر داخل ہو جائیں گے اور جس چیز پر غلبہ پائیں گے اسے تباہ کر دیں گے۔ (۱۷۔۷)

قرآن مجید اور تقدیر انسانی کا نظریہ

''قرآن مجید نے تقدیر انسانی کا جو نظریہ قائم کیا ہے کچھ تو اخلاقی ہے اور کچھ حیاتی، حیاتی اس لیے کہ قرآن پاک نے اس ضمن میں بعض ایسے اشارات

Marfat.com

کیے ہیں جن سے ہماری توجہ مظاہر حیات کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور جن کا فہم تب ہی ممکن ہے کہ ہم اس کی کنہ اور ماہیت کے بارے میں دقت نظر اور بصیرت سے کام لیں مثال کے طور پر اس نے برزخ کا ذکر کیا ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۵)

انگریزی متن میں اس موقع پر سورہ المومنون کی آیات ۹۹، ۱۰۰ کا حوالہ دیا ہے جن میں برزخ کا ذکر ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (۹۹) لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۰۰)

ترجمہ: (یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار، مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس میں سے جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں ۔ ہرگز نہیں یہ ایک (ایسی) بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے (رہیں گے) (۲۳:۹۹-۱۰۰)

درج بالا عبارت کے تسلسل میں علامہ مزید لکھتے ہیں :

"جسے گویا موت اور بعثت بعد الموت کے درمیان توقف و انتظار کی ایک حالت سے تعبیر کرنا چاہیے، بعینہٖ بعث بعد الموت کا تصور بھی سرتاسر مختلف ہے۔ اس لیے قرآن پاک نے اس کی بنا پر مسیحیت کی طرح مخصوص انسان کی بعثت ثانیہ پر نہیں رکھی۔ وہ حیات کا ایک عالم گیر مظہر ہے جس کا اطلاق ایک حد تک وحوش و طیور پر بھی کیا جا سکتا ہے۔" (تشکیلِ جدید۔ ص ۱۷۵۔ ۱۷۶)

حوالہ آیت۔ سورہ الانعام آیت ۳۸ :

Marfat.com

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ (۳۸)

ترجمہ: اور زمین میں چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں پر اُڑنے والا جانور ہے۔ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی، پھر سب اپنے پرودگار کی طرف جمع کیے جائیں گے۔(۶۔۳۸)

تفسیر: ان آیتوں میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے پر مرعی ہیں، یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگنے والے ہوں یا ہوا میں اُڑتے ہوں وہ بھی انسانوں کی طرح ایک اُمت ہیں ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا ہے جو ان کے معین خواص وافعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے۔کوئی جانور اپنے افعال وحرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اس کی فطرت اور استعداد کے مشخص کر دیے ہیں ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔۔(تفسیر عثانی۔ص ۱۷۵)

خودی کا ظہور زمانے سے متقدم نہیں

اس سے بیشتر کہ فرد کے بارے میں بقائے دوام کے متعلق قرآن پاک کے نظریے سے بہ تفصیل بحث کی جائے، تین باتیں ہیں جن کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور جو از روئے قرآن مجید بالکل واضح ہیں، لہٰذا ہمیں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کہ خودی کا ظہور اگرچہ زمانے سے وابستہ ہے لیکن اس کا وجود زمانے سے متقدم نہیں۔ہم نے جس آیت کا ابھی حوالہ دیا تھا اس سے بھی یہ حقیقت قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

یہاں انگریزی متن میں آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بہ ظاہر یہ آیات اس موضوع سے متعلق نہیں نظر آتیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ (۱۲)ۚ ثُمَّ

Marfat.com

جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (۱۳) ص ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (۱۴) ط

ترجمہ: پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کو لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑا کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا، تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔ (۲۳:۱۲-۱۴)

۲۔ یہ کہ قرآن پاک کی رو سے ناممکن ہے انسان پھر اس کرہ ارضی پر واپس آئے۔ (تشکیلِ جدید، ص۱۷۶) حوالہ آیت سورہ المومنون آیت ۹۹-۱۰۰)

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (۹۹) لا لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ط وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۰۰)

ترجمہ: (یہ لوگ اس غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا پروردگار۔ مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے، تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں، ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے (رہیں گے)۔ (۲۳:۹۹-۱۰۰)

یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقے سے دفع کرتے رہیے اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجیے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آپہنچے اور نزع کی حالت میں مبادا عذاب کا معینہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار۔ قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو، تاکہ

Marfat.com

گزشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں، آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہ کریں گے۔۔۔

اجل آجانے کے بعد اس کام کے لیے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا، وہی شرارتیں پھر سوجھیں گی۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۶۴)

دوسری آیت۔ حوالہ۔ سورہ انشقاق۔ آیت ۱۸۔۱۹:

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (١٨) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (١٩)

ترجمہ: اور چاند کی (قسم) جب کامل ہو جائے کہ تم درجہ بہ درجہ (مرتبہ اعلا پر) چڑھو گے۔ (۸۴۔۱۸۔۱۹)

تفسیر: یعنی تمھیں ایک حالت میں نہیں رہنا ہے بل کہ جوانی سے بڑھاپے، بڑھاپے سے موت، موت سے برزخ، برزخ سے دوبارہ زندگی، دوبارہ زندگی سے میدانِ حشر، پھر حساب کتاب، پھر جزا و سزا کی بے شمار منزلوں سے لازماً تم کو گزرنا ہوگا۔ اس بات پر تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی کی، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں ان بہت سے انسانوں اور حیوانوں کا سمٹ آنا جو دن کے وقت زمین میں پھیلے رہتے ہیں اور چاند کا ہلال سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدرِ کامل بننا۔ یہ گویا چند وہ چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس کے اندر ٹھہراؤ نہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص ۲۹۱)

تیسری آیت حوالہ۔ سورہ واقعہ۔ آیات ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (٥٨) ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (٥٩) نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (٦٠) عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٦١)

ترجمہ: دیکھو تو جس (نطفے) کو تم (عورتوں کی رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس (سے انسان) کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں، ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا اور ہم

Marfat.com

اس (بات) سے عاجز نہیں، کہ تمھاری طرح کے اور لوگ تمھاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں۔ (۵۶۔ ۵۸تا۶۱)

تفسیر: یعنی رحمِ مادر میں نطفہ انسان کو کون بناتا ہے۔ وہاں تو تمھارا، کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرے پر ایسی خوب صورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے...... جلانا اور مارنا سب ہمارے قبضے میں ہے جب وجود عدم کی باگ ہمارے ہاتھ ہوگی تو مرنے کے بعد اُٹھا دینا کیا مشکل ہے...... (تفسیر عثمانی، ص ۱۱۷)

دنیا کی تمام دوسری چیزیں چھوڑ کر انسان صرف اس بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے تو اسے نہ قرآن کی تعلیم توحید میں کوئی شک رہ سکتا ہے اور نہ تعلیم آخرت میں ۔۔۔۔۔۔ توحید کی طرح یہ سوال آخرت کے معاملہ میں بھی فیصلہ کن ہے۔ انسان کی تخلیق ایک ایسے کیڑے سے ہوتی ہے جو طاقت ور دوربین سے بھی نظر نہیں آسکتا، یہ کیڑا عورت کے جسم کی تاریکیوں میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اس کی طرح کا ایک حقیر خوردبینی وجود ہوتا ہے، پھر ان کے ملنے سے ایک چھوٹا سا زندہ خلیہ بن جاتا ہے جو حیاتِ انسانی کا نقطہ آغاز ہے۔۔ (تفہیم القرآن، جلد پنجم، ص ۲۸۴)

...... یعنی جس طرح ہم اس سے عاجز نہ تھے کہ تمھیں موجودہ شکل و ہیئت میں پیدا کریں۔ ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمھاری تخلیق کا طریقہ بدل کر کسی اور ہیئت میں، کچھ دوسری صفات و خصوصیات کے ساتھ تم کو پیدا کر دیں۔ (تفہیم القرآن، جلد پنجم، ۲۸۶)

متناہیت بدبختی نہیں

حوالہ آیت سورہ مریم آیات ۹۳، ۹۵:

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا (۹۳) لَقَدۡ اَحۡصٰهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا (۹٤)ؕ وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا (۹٥)

Marfat.com

ترجمہ: تمام شخص جو زمین و آسمان میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے۔اس نے ہم (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔(۱۹۔۹۳،۹۴،۹۵)

تفسیر: یعنی سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ پھر بندہ بیٹا کیسے ہو سکتا ہے اور جس کے سب محکوم اور محتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت کیا ہے......ایک فرد بشر بھی اس کی بندگی سے باہر نہیں ہو سکتا۔ سب کو خدا کے سامنے جریدہ حاضر ہونا ہے اس وقت تمام تعلقات اور ساز و سامان علاحدہ کر لیے جائیں گے،فرضی معبود، بیٹے اور پوتے کام نہ دیں گے۔(تفسیر عثمانی،ص ۴۱۶)

انگریزی متن میں ان آیات کے ساتھ مزید دو آیات کا حوالہ ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۹۴)

ترجمہ: اور جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور (جو مال و متاع) ہم نے تمھیں عطا کیا فرمایا تھا وہ سب اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔(۶:۹۴)

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (۸۰)

ترجمہ: دو اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے سامنے آئے گا۔(۱۹:۸۰)

Marfat.com

متناہی خودی لامتناہی خودی کے سامنے حاضر ہوگی

''پھر نجات کے بارے میں بھی اسلام کا جو عقیدہ ہے اس کے پیش نظر یہ آخری تصریح زیادہ اہم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ متناہی خودی لامتناہی کے سامنے حاضر ہوگی۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۷)

حوالہ آیت سورہ انعام۔ آیت ۹۴:

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۹۵)

ترجمہ: اور جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے۔ (۶۔۹۵)

(اصل خطبات میں یہ حوالہ نہیں ہے یعنی حاشیے میں اس آیت کا حوالہ نہیں دیا گیا بل کہ یہ ترجمہ (تشکیلِ جدید میں حاشیے میں دیا گیا ہے) تو صرف اپنی انفرادیت کو ساتھ لیے، کیوں کہ یوں ہی اپنی آنکھوں سے اپنے گزشتہ اعمال وافعال کو دیکھ کر وہ اس امر کا اندازہ کر سکتی ہے کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ (تشکیل جدید۔ ص ۱۷۷)

حوالہ آیت سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۳۔۱۴:

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (۱۳) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (۱٤) ط

ترجمہ: اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب نکال کر دکھائیں گے، جسے کھلا ہوا دیکھے گا (کہا جائے گا) اپنی کتاب پڑھ لے۔ تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (۱۷۔۱۳، ۱۴)

Marfat.com

تفسیر: اور ہم نے ہر ایک انسان کا عمل یعنی قبر میں منکر ونکیر کو سوال وجواب کا دفتر اس کی گردن کا ہار کر رکھا ہے یا یہ کہ اس کی نیکی وبدی کا نفع ونقصان اور شقاوت وسعادت اس کے ساتھ لازم ہے اور پھر قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے دیکھنے کے لیے سامنے کر دیں گے جس سے اس کی نیکیاں اور برائیاں سب واضح ہوں گی اور وہ ان کو دیکھ لے گا، اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے، آج تو خود اپنے اعمال کا محاسب کافی ہے۔
(تفسیر ابن عباس، جلد دوم، ص ۱۸۰)

تفسیر: یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے جو کام عمر بھر کیے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا، ہر آدمی اس وقت یقین کر لے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلا کم وکاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی حساب وکتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۳۷۶)

اجر غیر ممنون کا مطلب، تربیت یافتہ خودی متاثر نہ ہوگی:

''پھر انسان کا انجام کچھ بھی ہو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنی انفرادیت کھودے گا۔ قرآن مجید کے نزدیک انسان کی انتہائی مسرت اور سعادت یہ نہیں کہ اپنی متناہیت سے محروم ہو جائے۔ اس کے اجر غیر ممنون کا مطلب ہے اس کے ضبطِ نفس، اس کی یکتائی اور بحیثیت ایک خودی اس کی فعالیت کا زیادہ سے زیادہ شدت اختیار کرتے جانا۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۷)

حوالہ آیت، سورہ والتین۔ آیت ۶:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (٦)ط

ترجمہ: مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے (۹۵:۶)

یہاں مزید آیات کا حوالہ دیا گیا ہے:

Marfat.com

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۸)

۱۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لیے (ایسا) ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو۔(۸:۴۱)

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (۶)

۲۔ اے انسان تو فی الحقیقت سخت کوشش کر رہا ہے کہ اپنے پروردگار سے سعی و عمل کے زور پر ملاقات کرے تو اس ملاقات کرنے والا ضرور بن جائے گا۔(۶:۸۴)

حتیٰ کہ عالم گیر تباہی کا وہ منظر بھی (یہاں حاشیے میں آیت ۱۴، ۴۸ کا حوالہ ہے) جس سے قیامت کی ابتدا ہو گی۔ اس قسم کی تربیت یافتہ خودی کے سکون واطمینان پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو گا۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۸) یہاں تشکیلِ جدید میں سورہ زمر کی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے تاہم اس نے قبل انگریزی متن میں دیے گئے حوالہ کے مطابق آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱۴) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱۵) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (۱۶) وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (۱۷) يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (۱۸)

ترجمہ: تو جب صور میں ایک (بار) پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لیے جائیں گے پھر ایک بارگی توڑ پھوڑ برابر کر دیے جائیں گے تو اس روز ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہو گا اور فرشتے اس کے کناروں پر (اتر آئیں

Marfat.com

گے) اور تمھارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔ (۶۹:۱۳،۱۸)

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (۸) وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (۹) وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۱۰) وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (۱۱)

۲۔ جب تاروں کی چمک جاتی رہے، اور جب آسمان پھٹ جائے، اور جب پہاڑ اڑے اڑے پھریں اور جب پیغمبر فراہم کیے جائیں۔

(۷۷:۸،۱۱)

اصل انگریزی متن میں صرف سورہ زمر کی آیت کا حوالہ ہے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (۶۸)

ترجمہ: اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں، سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، مگر جسے خدا چاہے پھر جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (۳۹۔۶۸۔)

تفسیر: اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمان و زمین والے مر جائیں گے مگر جنت و دوزخ والے اور کہا گیا ہے کہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت وہ پہلی صور پھونکے جانے پر نہیں مریں گے بل کہ اس کے بعد مریں گے اور پھر مُردوں کو زندہ کرنے کے لیے دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور ان دونوں صوروں میں چالیس سال کا وقفہ ہوگا اور پھر آسمان سے باریک بارش کی بوندیں گریں گی۔ پھر اس صور کے بعد اچانک لوگ قبروں سے کھڑے ہو جائیں گے اور چاروں طرف دیکھیں گے کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے۔ (تفسیر ابن عباس، جلد سوم، ص ۱۵۶)

تفسیر: الا من شاء اللہ سے بعض نے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت

Marfat.com

مراد لیے ہیں، بعض نے ان کے ساتھ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے، بعض کے نزدیک انبیاء و شہدا مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال یہ استثنا، اس نفخہ کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ (تفسیر عثمانی، ص ٦۲۰)

انگریزی متن کے حاشیے میں ایم سعید شیخ نے مزید آیات کا حوالہ دیا ہے۔

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا (۱۱۲)

ترجمہ: اور جو نیک کام کرے گا اور مومن ہوگا اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔ (۲۰:۱۱۲)

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۱۰۳)

۲۔ ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگیں نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (۲۱:۱۰۳)

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (٦) فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (۷)

۳۔ تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ (۱۰۱:٦،۷)

لیکن ظاہر ہے اس قسم کے استثنا کا اطلاق ان ہی شخصیتوں پر ہو سکتا ہے جن میں خودی کی شدت انتہا کو پہنچ گئی ہو، لہٰذا اس کی نشو نما کا معراج کمال یہ ہے کہ ہم اس خودی سے براہ راست اتصال میں بھی جو سب پر محیط ہے اپنے آپ کو قائم اور برقرار رکھیں جیسا کہ قرآن پاک نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدہ ذات کے بارے میں فرمایا۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۸)

یہاں سورہ والنجم کی آیت ۱۷ کا حوالہ دیا گیا ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۱۷)

Marfat.com

ترجمہ: ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی۔

(۱۷:۵۳)

تفسیر: یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے تمکن واتقان سے دیکھا، نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر داہنے بائیں ہٹی نہ مبصر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی، بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا، بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں آپ ان دونوں سے پاک تھے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۶۹۹)

انسان کائنات کے مقصود و مدعا میں حصہ لیتے ہوئے غیر فانی ہوسکتا ہے۔

تینوں حقائق ذہن نشین ہو جائیں تو اسلام کا نقطہ نظر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، قرآن پاک کی رو سے یہ عین ممکن ہے کہ ہم کائنات کے مقصود و مدعا میں حصہ لیتے ہوئے غیر فانی ہو جائیں۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۹)

حوالہ سورہ القیامہ۔ آیات ۳۶۔۴۰:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (۳۶) اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى (۳۷) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى (۳۸) فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (۳۹) اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ ۦَ الْمَوْتٰى (۴۰)

ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا، پھر لوتھڑا ہوا (خدا نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضا کو) درست کیا، پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت۔ کیا اس کو قدرت نہیں کہ مردوں کو جلد اٹھائے۔ (۷۵:۳۶۔۴۰)

تفسیر: یعنی کیا آدمی یہ سمجھا ہے کہ اس کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور امر و نہی کی کوئی قید نہ ہوگی، یا مرے پیچھے اٹھایا نہ جائے گا اور سب نیک و بد حساب نہ لیں گے۔۔۔ یعنی نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں آیا، پھر اللہ نے اس کی پیدائش کے مراتب پورے کر

Marfat.com

کے انسان بنا دیا اور تمام ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر دیں، ایک نطفہ بے جان سے انسان عاقل بن گیا، پھر اسی نطفہ سے عورت اور مرد دو قسم کے آدمی پیدا کیے، جن میں سے ہر ایک کی ظاہری اور باطنی خصوصیات جداگانہ ہیں، کیا وہ قادر مطلق جس نے اولاً سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا اس پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی۔ص ۷۶۸)

یہ ارتقا یافتہ ہستی یونہی فنا نہیں ہوگی

"جس ہستی کے ارتقا میں لاکھوں کروڑوں برس صرف ہوئے اس کے متعلق کہنا کچھ غیر اغلب سا نظر آتا ہے کہ وہ ایک عبث اور لاحاصل سی شئے کی طرح ضائع ہو جائے گی، لیکن کائنات کے مقصود و مدعا میں شریک ہوگی تو ایک روز افزوں خودی کی حیثیت سے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۱۷۹)

حوالہ آیات۔سورہ والشمس آیات ۷ تا ۱۰:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (۷)ص لا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (۸)ص لا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (۹)ص لا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (۱۰) ط

ترجمہ: اور انسان کی قسم ہے اور اس کی جس نے اس کے اعضا کو برابر کیا۔ پھر اس کو بدکاری سے (بچنے کے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی، کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔ (۹۱۔۷ تا ۱۰)۔

تفسیر: اول تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعے بھلائی برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی، پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ راستہ بدی کا اور یہ راستہ پرہیزگاری کا ہے، اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو، ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان۔

خاک میں ملا چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ نفس کی باگ ڈور یکسر شہوت و غضب کے

Marfat.com

ہاتھ میں دے دے، عقل وشرح سے کچھ سروکار نہ رکھے، گویا خواہش اور۔۔کا بندہ بن جائے ایسا آدمی جانور سے بدتر اور ذلیل ہے۔(تفسیر عثمانی۔ص ۷۹۳)

روح میں افزونی عمل سے پیدا ہوگی

''مگر پھر روح میں افزونی پیدا ہوگی تو کس طرح اور کیسے ہوگا کہ وہ فساد اور ہلاکت سے محفوظ رہے اس کا جواب ہے عمل سے۔'' (تشکیل جدید۔ص ۱۸۰)

حوالہ آیات۔سورہ الملک۔آیات۔۱،۲ :

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ نِ (۱) الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (۲) لا

ترجمہ: وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمھاری آزمائش کر سکے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔(۶۷۔۱،۲)

تفسیر: یعنی دنیا میں انسانوں کے مرنے اور جینے کا سلسلہ اس نے اس لیے شروع کیا کہ ان کا امتحان لے اور دیکھے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے، اس مختصر سے فقرے میں بہت سی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔اول یہ کہ موت اور حیات اسی کی طرف سے ہے۔ کوئی دوسرا نہ زندگی بخشنے والا ہے نہ موت دینے والا، دوسرے یہ کہ انسان جیسی مخلوق جسے نیکی اور بدی کرنے کی قدرت عطا کی گئی اس کی نہ زندگی بے مقصد ہے نہ موت، خالق نے اسے یہاں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے، زندگی اس کے لیے امتحان کی مہلت ہے اور موت کے معنی یہ ہیں کہ امتحان کا وقت ختم ہو گیا ہے، تیسرے یہ کہ اس امتحان کی غرض سے خالق نے ہر ایک کو ایک عمل کا موقع دیا ہے تا کہ دنیا میں کام کر کے اچھائی یا برائی کا اظہار کر سکے اور عملاً یہ دکھا دے کہ وہ انسان کیسا ہے، چوتھے یہ کہ خالق ہی دراصل اس بات کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کس کا عمل

Marfat.com

اچھا ہے یا بُرا، اعمال کی اچھائی یا برائی کا معیار تجویز کرنا امتحان دینے والوں کا کام نہیں بل کہ امتحان لینے والے کا کام ہے۔ لہٰذا جو بھی امتحان میں کامیاب ہونا چاہے اسے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ممتحن کے نزدیک حُسنِ عمل کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص ۴۲)

''گویا زندگی وہ فرصت ہے جس میں خودی کو عمل کے لا انتہا مواقع میسر آتے ہیں اور جس میں موت اس کا پہلا امتحان ہے تاکہ وہ دیکھ سکے اسے اپنے اعمال وافعال کی شیرازہ بندی میں کس حد تک کامیابی ہوئی۔ اعمال کا نتیجہ نہ تو لطف ہے نہ درد۔ اعمال یا تو خودی کو سہارا دیتے ہیں یا اس کی ہلاکت وتباہی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر کہ خودی فنا ہو جائے گی یا اس کا کوئی مستقبل ہے عمل پر موقوف ہے اور اس لیے خودی کو برقرار رکھیں گے تو وہی اعمال جن کی بنا اس اصول پر ہے کہ ہم بلا امتیاز من وتو خودی کا احترام کریں۔ لہٰذا بقائے دوام انسان کا حق نہیں اس کے حصول کا دارومدار ہماری مسلسل جدوجہد پر ہے۔ بالفاظ دیگر ہم اس کے امیدوار ہیں۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۰)

حیاتِ ثانیہ کا قیاس خلقِ اوّل کی مماثلت پر

''دراصل بعث بعد الموت کوئی خارجی حادثہ نہیں۔ یہ خودی ہی کے اندر ایک حیاتی عمل کی تکمیل ہے اور جسے انفرادی یا اجتماعی جس لحاظ سے دیکھیے، دونوں صورتوں میں محاسبہ ذات کی وہ ساعت ہے جس میں خودی اپنے گزشتہ اعمال کا جائزہ لیتی اور مستقبل میں اپنے ممکنات کا اندازہ کرتی ہے، قرآن مجید کا بھی یہی ارشاد ہے کہ ہم اپنی حیاتِ ثانیہ کا قیاس خلقِ اوّل کی مماثلت پر کریں۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۲)

حوالہ آیت، سورہ مریم آیت ۶۶، ۶۷:

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا(٦٦) أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا(٦٧)

Marfat.com

ترجمہ: اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا زندہ کر کے
نکالا جاؤں گا۔ کیا۔۔۔ انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے پیدا کیا تھا
اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ (۱۹۔۶۶،۶۷)

تفسیر: یعنی آدمی ہو کر اتنی موٹی بات نہیں سمجھتا کہ چند روز پہلے وہ کوئی چیز نہ تھا، حق تعالیٰ نے نابود سے بود کیا، کیا وہ ذات جو لاشئے کو شئے اور معدوم محض کو موجود کر دے اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اُڑاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۴۱۴)

حوالہ آیت ۔۲۔ سورہ

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِيْنَ (٦٠)ۙ
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٦١)
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ (٦٢)

ترجمہ: ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا، اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ تمھاری طرح کے اور لوگ تمھاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں اور تم نے پہلی پیدائش تو جان ہی لی پھر تم سوچتے کیوں نہیں۔ (۵٦۔٦۰۔٦۲)

یعنی یہ تو تم جانتے ہو کہ پہلے تم کیسے پیدا کیے گئے تھے۔ کس طرح باپ کے صلب سے وہ نطفہ منتقل ہوا جس سے تم وجود میں آئے، کس طرح رحمِ مادر میں جو قبر سے کم تاریک نہ تھا تمھیں پرورش کر کے زندہ انسان بنایا گیا، کس طرح ایک ذرہ بے مقدار کو نشونما دے کر یہ دل و دماغ، یہ آنکھ، کان اور ناک اور ہاتھ پاؤں اس میں پیدا کیے گئے اور عقل و شعور، علم و حکمت، صنعت وایجاد اور تدبیر و تسخیر کی یہ حیرت انگیز صلاحیتیں اس کو عطا کی گئیں۔ (تفہیم القرآن، جلد پنجم، ص ۲۸۷)

حیات بعد الموت اور خودی کی کیفیت

بہر حال فلاسفہ اسلام اور علمائے الٰہیات کے درمیان جو مسئلہ مختلف فیہ ہے وہ یہ ہے

Marfat.com

کہ انسان کی بعثت ثانیہ پر کیا اس کا جسم بھی پھر سے زندہ ہو جائے گا، اس میں زیادہ تر خیال یہ ہے اور شاہ ولی اللہ کی رائے بھی جن پر گویا الٰہیاتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا یہی تھی کہ حیات بعد الموت پر ایسا کوئی مادی پیکر ناگزیر ہے جو خودی کے نئے ماحول میں اس کے مناسب حال ہو، لیکن مَیں سمجھتا ہوں ان کے اس نظریے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ جب ہم خودی کا تصور بحیثیت ایک فرد کے کرتے ہیں تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے کسی مقام یا اختیاری پس منظر میں نسبت دیں۔ آیت ذیل سے البتہ اس مسئلے کی کچھ اور وضاحت ہو جاتی ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۴)

حوالہ آیات سورہ ق۔ آیات ۳،۴ :

اِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِيۡدٌ (۳) قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ (٤)

ترجمہ: بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر زندہ ہوں گے) یہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے، ان کے جسموں کو زمین جتنا (کھا کھا کر) کم کرتی جاتی ہے ہم کو معلوم ہے اور تمھارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔ (۵۰۔ ۳،۴)

......یعنی یہ بات ان لوگوں کی عقل میں نہیں سماتی تو یہ ان کی اپنی ہی عقل کی تنگی ہے۔ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بھی تنگ ہو جائے یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک مرنے والے بے شمار انسانوں کے جسم کے اجزا جو زمین میں بکھر چکے ہیں اور آئندہ بکھرتے چلے جائیں گے، ان کو جمع کرنا کسی طرح ممکن نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہر جز جس شکل میں جہاں بھی ہے، اللہ تعالیٰ براہ راست اس کو جانتا ہے اور مزید براں اس کا پورا ریکارڈ اللہ کے دفتر میں محفوظ کیا جا رہا ہے، جس سے کوئی ایک ذرہ بھی چھوٹا ہوا نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد پنجم، ص ۱۱۰)

" میرے نزدیک اس آیت سے صاف مترشح ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی حیاتِ عملی کی جب ہی تکمیل کر سکتا ہے جب اسے ایک ایسی انفرادیت حاصل کرلے (ہو) جو اس ماحول میں اپنے انتزاع وانتشار کے باوجود اپنے آپ

Marfat.com

کو قائم اور برقرار رکھ سکے، البتہ ہمیں نہیں معلوم تو یہ کہ یہ سب کچھ ہو گا کیسے۔" (تشکیلِ جدید۔ص۱۸۴)

"اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ انسان کا معاد کسی نہ کسی جسد عنصری سے وابستہ ہے، خواہ اس جسد عنصری کی حقیقت کچھ بھی ہو اور سر دست ہم اسے سمجھ بھی نہ سکیں، جب بھی بعثت ثانیہ کے باب میں ہمیں کوئی بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن مجید نے بھی اس سلسلے میں جن مماثلتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے مقصود صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ بعثت ثانیہ ایک حقیقت یہ نہیں کہ اس کی ماہیت کیا ہے۔ لہٰذا جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے ماضی پر غور کیجیے تو یہ امر اغلب نظر آتا ہے کہ اس کی ہستی کا سلسلہ جسم کی ہلاکت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ قرآن مجید کی تعلیمات اس باب میں بہر حال یہ ہیں کہ بعث بعد الموت پر انسان کی بصارت تیز ہو جائے گی۔" (تشکیلِ جدید،ص۱۸۵)

حوالہ آیت سورہ ق آیت۲۲:

لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۲۲)

ترجمہ: (یہ وہ دن ہے کہ) جس سے تو غافل ہو رہا تھا، اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔(۵۰-۲۲)

تفسیر: یعنی اب تو تجھے خوب نظر آ رہا ہے کہ وہ سب کچھ یہاں موجود ہے جس کی خبر خدا کے نبی دیتے تھے۔(تفہیم القرآن، جلد پنجم،ص ۱۱۸)

تفسیر: یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات وخواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، پیغمبر جو سمجھاتے تھے، کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، آج ہم نے تیری آنکھوں کے پردے ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔(تفسیر عثمانی،ص ۶۸۹)

Marfat.com

تفسیر: یہ فقرہ اس تفضیح کے لیے طنز کے انداز میں ہو گا کہ آج تو تمھاری نگاہیں بہت تیز ہیں جس چیز کا امکان تمھیں کہیں دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا، آج اس کا ہر گوشہ کس طرح تمھارے آگے بے نقاب ہو گیا ہے۔ (تدبر قرآن، جلد ہفتم، ص ۵۴۹)

انسان کی قسمت کا حال اس کے گردن میں

''وہ اپنی گردن میں خود اپنی تیار کردہ قسمت کا حال آویزاں پائے گا۔'' (تشکیل جدید۔ص۔۱۸۵)

حوالہ آیت سورہ بنی اسرائیل۔آیت نمبر ۱۳:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (۱۳)

ترجمہ: اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔(۱۷۔۱۳)

تفسیر: اور ہم نے ہر ایک انسان کا عمل یعنی قبر میں منکر ونکیر کو سوال و جواب کا دفتر اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے، یا یہ کہ اس کی نیکی و بدی اس کا نفع ونقصان اور شقاوت سعادت اس کے ساتھ لازم ہے اور پھر قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال اس کے دیکھنے کے لیے سامنے کر دیں گے جس میں اس کی نیکیاں اور برائیاں سب واضح ہوں گی اور وہ ان کو دیکھ لے گا اور اس سے کہا جائے گا اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے، آج تو خود اپنے اعمال کا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (تفسیر ابن عباس۔جلد دوم ص ۱۸۰)

جنت و دوزخ احوال ہیں مقامات نہیں

جنت اور دوزخ اس کے احوال ہیں مقامات یعنی کسی جگہ کا نام نہیں ہیں چناں چہ قرآن پاک میں جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۵)

Marfat.com

اس حوالے سے ایم سعید شیخ نے انگریزی خطبات میں متعدد آیات کا حوالہ دیا ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ (٤١) فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ (٤٢) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (٤٣) عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (٤٤) يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ (٤٥) بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ (٤٦) لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ (٤٧) وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ (٤٨) كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ (٤٩)

ترجمہ: یہی لوگ ہیں جن کے لیے روزی مقرر ہے (یعنی) میوے اور ان کا اعزاز کیا جائے گا نعمت کے باغوں میں، ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (بیٹھے ہوں گے) شراب لطیف کے جام کا ان میں دور چل رہا ہوگا۔ جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہوگی۔ نہ اس سے دردِ سر ہو اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں۔ ان کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی اور ان کی آنکھیں بڑی بڑی، گویا محفوظ انڈے ہیں۔

(۳۷:۴۱۔۴۹)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ (٥١) فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (٥٢) يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ (٥٣) كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ (٥٤) يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ (٥٥)

۲۔ بے شک پرہیز گار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ (یعنی) باغوں اور چشموں میں۔ حریر کا باریک اور دبیز لباس پہن کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے (وہاں) اس طرح (کا حال ہوگا) اور بڑی بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی عورتوں سے ان کے جوڑے لگائیں گے۔ وہاں خاطر جمع سے ہر قسم کے میوے منگائیں گے (اور کھائیں گے)۔

(۴۴:۵۱،۵۵)

Marfat.com

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (٦٢) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً
لِّلظّٰلِمِيْنَ (٦٣) اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ
(٦٤) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (٦٥) فَاِنَّهُمْ لَاٰ
كِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٦٦) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (٦٧) ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِالَى
الْجَحِيْمِ (٦٨)

۳۔ بھلا یہ مہربانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت، ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا رکھا ہے وہ درخت ہے جہنم کے اسفل میں اُگے گا۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطان کے سر، سو وہ اسی میں کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اس (کھانے) کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ (۳۷:۶۲،۶۸)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (٤٣) طَعَامُ الْاَثِيْمِ (٤٤) صلے
كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِى الْبُطُوْنِ (٤٥) كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ
(٤٦) خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاءِ الْجَحِيْمِ (٤٧) ثُمَّ صُبُّوْا
فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ (٤٨) ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (٤٩)

۴۔ بلاشبہ تھوہر کا درخت، گناہ گار کا کھانا ہے، جیسے پگھلا ہوا تانبا پلیٹوں میں (اس طرح) کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے (حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیل دو کہ عذاب پر عذاب ہو۔ (۴۴:۴۳،۴۹)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٧)

۵۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر

Marfat.com

رکھی گئی ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے جو کرتے تھے۔(۳۲، ۱۷)

دوزخ کی آگ

’’جیسا کہ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچتی ہے۔‘‘ (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۵)

حوالہ آیت سورہ الھمزہ آیت ۶، ۷:

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (۶) الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ (۷)

ترجمہ: وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں میں جا لپیٹے گی۔

(۱۰۴۔۶، ۷)

تفسیر: واللہ وہ ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو کافروں کی لیے اللہ نے سلگا رکھی ہے، وہ آگ سب کچھ کھا کر دل تک پہنچ جائے اور وہ آگ کافروں پر اس طرح بند کر دی جائے گی کہ وہ لوگ اس کے ستونوں میں گھرے ہوں گے۔ (تفسیر ابن عباس، جلد سوم، ص ۴۹۴)

انسان ابدی لعنت کا مستحق نہیں

’’اسلام انسان کو ابدی لعنت کا مستحق نہیں ٹھہرایا، چناں چہ قرآن مجید نے لفظ، خلود، کی تشریح دوسری آیات میں اس طرح کر دی ہے کہ اس سے مراد محض ایک مدت زمانی ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۶)

حوالہ آیت سورہ النباء آیت ۲۳:

لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا (۲۳)

ترجمہ: اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ (۷۸۔۲۳)

تفسیر: جن کا کوئی شمار نہیں، قرن ہا قرن گزرتے چلے جائیں گے اور ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی۔ص ۷۷۴)

تفسیر: اصل میں لفظ احقاب استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی پے در پے آنے والے طویل زمانے، ایسے مسلسل ادوار کہ ایک دور ختم ہوتے ہی دوسرا دور شروع ہو جائے، اس

Marfat.com

لفظ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ جن کی زندگی میں ہیشگی ہوگی مگر جہنم میں ہیشگی نہیں ہوگی۔ (علامہ نے یہی مراد لی ہے) کیوں کہ مدتیں خواہ کتنی ہی طویل ہوں، بہر حال جب مدتوں کا لفظ استعمال کیا گیا تو اس سے یہی متصور ہوتا ہے کہ وہ لا متناہی نہ ہوں گی۔ بل کہ کبھی نہ کبھی جا کر ختم ہوں گی۔ لیکن یہ استدلال دو وجوہ سے غلط ہے، ایک عربی لغت کے لحاظ سے حقب کے لفظ ہی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ ایک حقب کے پیچھے دوسرا حقب ہو، اس لیے احقاب لازماً ایسے ادوار ہی کے لیے بولا جائے گا جو پے در پے ایک دوسرے کے بعد آتے چلے جائیں اور کوئی دور بھی ایسا نہ ہو جس کے پیچھے دوسرا دور نہ آئے۔۔۔۔ دوسرے یہ کہ کسی موضوع سے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی ایسا مفہوم لینا اصولاً غلط ہے جو اس موضوع کے بارے میں قرآن کے دوسرے بیانات سے متصادم ہوتا ہو۔ (تفہیم القرآن۔ جلد ششم۔ص ۲۲۹)

جہنم خدا کا انتقام اور ہاویہ نہیں

> ''یوں بھی انسانی سیرت کا تقاضا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے اس میں سختی اور پختگی پیدا ہوتی جائے، لہٰذا سیرت اور کردار کی تبدیلی کے لیے وقت کی ضرورت ہوگی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہنم بھی کوئی ہاویہ نہیں جسے کسی منتقم خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گناہ گار ہمیشہ اس میں گرفتار عذاب رہیں۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۶)

حوالہ آیات (حاشیہ میں) سورہ القارعہ آیات ۸ تا ۱۱ :

(۸) فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (۹) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ (۱۰) نَارٌ حَامِيَةٌ (۱۱)

ترجمہ: اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں، تو اس کا ٹھکانہ گڑھا ہے اور تو کیا سمجھتا ہے، وہ کیا ہے آگ ہے دہکتی ہوئی۔ (۱۰۱۔۸ تا ۱۱)

تفسیر: ہاویہ، ہوی سے ہے جس کے معنی اونچی جگہ سے نیچی گرنے کے ہیں اور ہاویہ

Marfat.com

اس گڑھے کے بارے میں بولا جاتا ہے جس میں کوئی چیز گرے، جہنم کو ہاویہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ وہ بہت عمیق ہوگی اور اہلِ جہنم اس میں اوپر سے پھینکے جائیں گے۔ (تفہیم القران، جلد ششم، ص ۴۳۷)

انگریزی متن کے حاشیے میں سورہ الحدید کی آیت ۱۵ کا حوالہ دیا گیا ہے:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ط هِيَ مَوْلٰىكُمْ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۵)

ترجمہ: تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا) تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے (کہ) وہی تمھارے لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ (۱۵:۵۷)

دوزخ تادیب کا عمل

''وہ درحقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ جو خودی پتھر کی طرح سخت ہوگئی ہے وہ پھر رحمتِ خداوندی کی نسیم جاں افروز کا اثر قبول کر سکے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۶)

حوالہ آیت حاشیہ۔ سورہ البقرہ۔ آیت ۷۴:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ط وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۷۴)

ترجمہ: پھر تمھارے دل سخت ہوگئے اس سب کے بعد سو وہ ہوگئے جیسے پتھر یا اُن سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمھارے کاموں سے۔'' (۲:۷۴)

Marfat.com

''جنت بھی لطف وعیش یا آرام وتعطل کی کوئی حالت نہیں زندگی ایک ہے اور مسلسل اور اس لیے انسان بھی ذات لامتناہی کی نو بہ نوع تجلیات کے لیے جس کی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے، ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے گا۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۸۶)

حوالہ آیت۔ سورہ رحمان۔ آیت ۲۹ :

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ (۲۹) ۚ

ترجمہ: آسمان وزمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ (۵۵:۲۹)

تفسیر: وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہے، تمام اُمور کسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جو احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد سوم، ص ۳۱۷)

◆◆◆

Marfat.com

خطبہ پنجم

اسلامی ثقافت کی روح

The Spirit of Muslim Culture

اس مقالہ کی ابتدا میں اقبالؔ نے شعورِ ولایت اور شعورِ نبوت میں فرق کو واضح کیا ہے کہ صوفی کو جو لذت خدا کے قرب یا اتصال سے حاصل ہوتی ہے وہ چھوڑ کر واپس نہیں آنا چاہتا لیکن نبی نہ صرف واپس آتا ہے بل کہ پرانے نظام کو زیر وزبر کر کے دنیا میں تمدنی انقلاب برپا کرتا ہے نبی کے روحانی مشاہدات وواردات کو ایک تخلیقی عمل ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ایک طرف وہ اپنے تجربے کی صداقت کو خود جانچتا ہے اور دوسری جانب خارجی حقائق کی دنیا کے حوالے سے پرکھتا ہے۔ مزید یہ کہ نبی کے مذہبی مشاہدات وواردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ یہ دیکھ کر بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کیا نتائج برامد ہوئے یا نبی کی تعلیمات کے زیر اثر انسانوں میں کس قسم کا تغیر رونما ہوا یا تہذیب وتمدن کی وہ کیا دنیا تھی جو اس دعوت سے ظہور میں آئی۔ اس بحث میں اقبالؔ عقیدہ ختمِ نبوت کی ثقافتی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ وحی خاصہ حیات ہے اور جوں جوں وہ ارتقا حاصل کرتی ہے اس کی ماہیت بھی بدلتی جاتی ہے حتیٰ کہ جب معراج کمال کو پہنچتی ہے تو اس کا خاتمہ ضروری ہو جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چوں کہ معراج کمال کو پہنچ گئی اس لیے اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے دینی پیشوائی اور موروثی بادشاہت کو جائز نہ رکھا، بار بار عقل اور تجربہ پر زور دیا، عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ کو علمِ انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس میں یہی نقطہ مضمر ہے۔

Marfat.com

قرآن نے مشاہدہ باطن کے علاوہ علمِ انسانی کے لیے دو سرچشموں کا ذکر کیا ہے ایک عالمِ فطرت اور دوسرا عالمِ تاریخ، اقبال کے خیال میں ان دو سرچشموں سے استفادہ کرنے میں اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا۔ جب مسلمانوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ کائنات میں حرکت ہے تو انھوں نے یونانی فلسفہ کے قیاسات و نظریات کے خلاف بغاوت کی۔ قرآنی تعلیمات کے زیر اثر ان کی توجہ ٹھوس حقائق کی طرف مبذول ہوئی۔ یہ قرآنی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی جس کے ثمرات آگے چل کر یورپ میں ظاہر ہوئے۔ اسی طرح دنیائے اسلام میں حس تاریخ کی پرورش بھی قابلِ مطالعہ موضوع ہے اس کی ابتدا راویان حدیث ہوئی اور رفتہ رفتہ تاریخی تنقید کے اصول مرتب ہوتے چلے گئے، ابن اسحاق، طبری اور مسعودی جید مورخ پیدا ہوئے بالآخر ابن خلدون نے تعلیمات قرآن کی روشنی میں فلسفہ تاریخ پیش کرتے ہوئے اس کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی۔ وحدتِ انسانیت اور حیات انسانی کی مسلسل اور مستقل حرکت۔ (ملخص۔ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود۔ جلد سوم۔ ص ۳۷۸۔ ۳۷۹)

عقیدہ ختم نبوت کی ثقافتی قدر و قیمت

> ''انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہم یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہوئے، علیٰ ہذا یہ کہ تہذیب و تمدن کی وہ کیا دنیا تھی جس کا ظہور ان کی دعوت سے ہوا۔ چناں چہ اس خطبے میں بھی ہمارے پیشِ نظر یہی امر ہے۔ یہ نہیں کہ عالمِ اسلام نے علم و حکمت میں جو خدمات سرانجام دیں ان کی تفصیل بیان کی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی نگاہیں ان تصورات پر رکھیں جو اسلامی ثقافت میں کارفرما ہیں یوں ہی ہم اس سلسلہ افکار کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں جس کی اس طرح ابتدا ہوئی۔ یوں ہی ہمیں اس روح کی تھوڑی بہت جھلک بھی نظر آئے گی جو ان میں کام کرتی رہی۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اپنی بحث میں آگے بڑھیں

Marfat.com

ضروری ہے کہ اسلام کے ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی تصور ۔ میرا مطلب ہے عقیدہ ختم نبوت کی ثقافتی قدر و قیمت پورے طور پر ذہن نشین کر لی جائے۔(تشکیلِ جدید،ص۱۹۰)

اس حوالے سے حاشیے میں سورہ الاحزاب کی آیت ۴۰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔(تشکیلِ جدید میں حوالہ ۳۳:۴ ہے جو دراصل ۳۳:۴۰ ہے)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا(۴۰)ع

ترجمہ :(محمدؐ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بل کہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اسے ختم کرنے والے ہیں) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔(۳۳:۴۰)

وحی خاصہ حیات

''قرآن مجید نے لفظ وحی کا استعمال جن معنوں میں کیا ہے ان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی خاصہ حیات ہے اور ایسا ہی عام جیسے زندگی۔''
(تشکیلِ جدید،ص۱۹۱)

اس حوالے سے انگریزی متن کے حاشیے میں درج ذیل آیات کا حوالہ دیا گیا ہے :

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا(۵)

۱۔ کیوں کہ تمھارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا ہوگا۔(۹۹:۵)

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ(۱۲)

۲۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے (ستاروں) سے مزین کیا اور شیطانوں سے محفوظ رکھا یہ زبردست (اور) خبر دار کے (مقرر کیے ہوئے)

Marfat.com

اندازے ہیں۔(۱۲:۴۱)

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ (٦٨) ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (٦٩)

۳۔ اور تمھارے خدا نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پیڑوں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جولوگ بناتے ہیں گھر بنا۔ اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا، اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بے شک سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی نشانی ہے۔(۱۶:۶۸، ۶۹)

اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ کُلَّ بَنَانٍ (١٢) ؕ

۴۔ جب تمھارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ تمھارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں تو ان کے سر مار (کر) اتا دو اور ان کا پور پور مار کر توڑ دو۔(۸:۱۲)

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡهِ فَاَلۡقِیۡهِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ وَ لَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَیۡکِ وَ جَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (٧)

۵۔ اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاو، جب تم کو اس کے بارے میں خوف پیدا ہوا تو دریا میں ڈال دینا اور نہ رنج کرنا ہم

Marfat.com

اس کو تمھارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور پھر اسے پیغمبر بنا دیں گے۔

(۲۸:۷)

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (۱۱۱)

۶۔ اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تب اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔ (۵:۱۱۱)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۵۱)

۷۔ اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے بے شک وہ عالی مرتبہ (اور) حکمت والا ہے۔

(۴۲:۵۱)

شعور نبوت

''اب بنی نوع انسان کے عالم صغر سنی میں ایسا بھی ہوا کہ اس کی نفسی توانائی کا نشو نما شعور کی وہ صورت اختیار کر لے جسے ہم نے شعور نبوت سے تعبیر کیا ہے اور جس کے معنی یہ ہیں کہ اس شعور کی موجودگی میں نہ تو افراد کو خود کسی چیز پر حکم لگانا، نہ ان کے سامنے یہ سوال ہوگا کہ ان کی پسند کیا ہو اور ناپسندیدگی کیا۔ انھیں یہ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ اپنے لیے کیا راہِ عمل اختیار کریں۔ یہ سب باتیں گویا پہلے ہی سے طے شدہ ہوں گی، یہ نہیں کہ انھیں اس بارے میں خود اپنے فکر اور انتخاب سے کام لینا پڑے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۹۱)

Marfat.com

اس عبارت کے حوالے سے تشکیل کے حاشیے میں دو آیات دی گئی ہیں۔
پہلے سورہ جمعہ کی آیت نمبر۔۲:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اس کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (۶۲۔۲)

اور دوسری آیت سورہ الحدید سے آیت نمبر ۲۵ (تشکیل جدید میں حوالہ ۵۷: ۱۲۵ ہے جو درست نہیں)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۵)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اُتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا زبردست ہے۔

(۵۷:۲۵)

ان دونوں آیات کا حوالہ انگریزی خطبات میں ایم سعید شیخ نے نہیں دیا بل کہ یہ صرف تشکیلِ جدید کے حاشیے میں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اسلام میں نبوت کی معراجِ کمال

''لہٰذا اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طریق پر ثابت کر دیا جائے گا، استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چوں کہ معراجِ کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۹۳)

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۳)

ترجمہ: آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (۵:۳)

انفس و آفاق ذریعہ علم

''قرآن مجید نے انفس و آفاق دونوں کو علم کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اور اس کا ارشاد ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کا ظہور محسوسات و مدرکات میں، خواہ ان کا تعلق خارج کی دنیا سے ہو یا داخل کی، ہر کہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے اس کے ہر پہلو کی قدر و قیمت کا کماحقہ اندازہ کریں اور دیکھیں کہ حصولِ علم میں کہاں تک مدد مل سکتی ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۹۴)

انفس و آفاق کے حوالے سے یہاں حاشیے میں سورہ حٰم السجدہ کی آیت نمبر ۵۳ دی گئی ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳)

ترجمہ: ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔ (۴۱-۵۳)

عالمِ فطرت، ذریعہ علم

''مشاہداتِ باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا۔ قرآن پاک کے

Marfat.com

نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں۔ایک عالمِ فطرت، دوسرا عالمِ تاریخ۔ جن سے استفادہ کرنے میں عالمِ اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس وقمر، یہ سایوں کا امتداد، یہ اختلاف لیل و نہار، یہ رنگ اور زبان کا فرق، اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد وشد، حاصلِ کلام یہ کہ یہ سارا عالمِ فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور وتفکر سے کام لے۔" (تشکیلِ جدید، ص، ۱۹۶) اس عبارت میں بیان کردہ نکات کے حوالے سے بھی حاشیے میں چند آیات دی گئی ہیں:

ترجمہ بالترتیب یوں ہے :

حوالہ حاشیہ۔سورہ حم، آیت ۳۷ :

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۳۷)

ترجمہ: اور رات دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو، اور نہ چاند کو بل کہ خدا ہی کو سجدہ کرو۔(۴۱۔۳۷)

سورہ الفرقان آیت ۴۵، ۴۶:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا (۴۵) ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۴۶)

ترجمہ: بل کہ تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا۔ پھر سورج کو اس کا راہ نما بنا دیتا ہے۔ پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ

Marfat.com

اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ (۲۵۔۴۵،۴۶)

اختلافِ لیل ونہار

سورہ یونس۔ آیت ۶:

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (٦)

ترجمہ: رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں خدا نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں (سب میں) ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (۱۰۔۶)

رنگ اور زبان کا فرق

سورہ روم۔ آیت ۲۲:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (٢٢)

ترجمہ: اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہلِ دانش کے لیے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۳۰:۲۲)

ایام کی گردش

......سورہ آلِ عمران۔ آیت ۱۴۰:

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (١٤٠) ۙ

ترجمہ: اگر تمھیں شکست کا زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ (۳۔۱۴۰)

Marfat.com

انگریزی متن میں یہاں حوالہ میں ایک بے قاعدگی ہے پہلے حوالہ نمبر ۱۰ (ص ۱۰۲) دیا گیا ہے اور حوالہ نمبر (۹) اسی صفحہ پر بعد میں دیا گیا ہے جو کہ ترتیب کے خلاف ہے اسی طرح حاشیے میں حاشیہ نمبر ۹ کے تحت آیات کے حوالے دیے گئے ہیں جب کہ حوالہ نمبر ۱۰ کے تحت بائیو گرافیکل ہسٹری آف فلاسفی کا حوالہ دیا گیا ہے دونوں حوالے بے موقع نظر آتے ہیں۔ تاہم حاشیے میں حوالہ نمبر ۹ کے تحت دی گئی آیات کا ترجمہ شامل کیا جاتا ہے :

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۳۷)

۱۔ اور رات دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بل کہ خدا ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔ (۴۱:۳۷)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا (۴۵)

۲۔ بل کہ تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھیرا رکھتا پھر سورج کو اس کا راہ نما بنا دیتا۔ (۲۵:۴۵)

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (۶)

۳۔ رات دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں جو چیزیں خدا نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں (سب میں) ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں (۱۰:۶)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (۲۲)

Marfat.com

۴۔ اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔ اہل دانش کے لیے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۳۰:۲۲)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۷۲)

۵۔ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب اُن کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔ (۲۵:۷۲)

وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۷۲)

۶۔ اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور (نجات کے) رستے سے بہت دُور۔ (۱۷:۷۲)

(آخری دو آیات کا موضوع الگ ہے اور آگے بیان ہوا ہے جس کے حوالے کے لیے تشکیل میں انھی سے حوالہ پیش کیا گیا ہے)

عالم میں بہرہ اور اندھا بن کر نہ رہیں

''حاصلِ کلام یہ ہے کہ سارا عالمِ فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں ادراک ہوتا ہے، حقیقتِ مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و فکر سے کام لے، یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح اعراض کرے کیوں کہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا رہے گا۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۱۹۶)

حوالہ آیت سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۷۲:

وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۷۲)

Marfat.com

ترجمہ: اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور نجات سے بہت دور۔ (۱۷۔۷۲)

تفسیر: اور جو شخص دنیا کی ان نعمتوں کی شکر کی بجا آوری سے اندھا رہے گا وہ جنت کی نعمتوں سے بھی اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہوگا یا یہ کہ جو شخص اس دنیا میں راہِ نجات اور حجت و بیان دیکھنے سے اندھا رہے گا تو وہ آخرت میں حجت اور منزلِ نجات دیکھنے سے بہت اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد دوم، ص ۱۹۵)

انبیاء کی تکذیب موجبِ عذاب

امام موصوف (غزالی) نے قرآنی دلائل کو بھی ارسطاطالیسی اشکال ہی کے رنگ میں پیش کیا ہے، حالاں کہ سورہ الشعرا میں اس دعویٰ کا اثبات کہ انبیاء کی تکذیب سے عذاب لازم آتا ہے تاریخی نظائر کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۱۹۸)

حوالہ آیت سورہ الشعرا آیت ۱۳۹:

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (۱۳۸) فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹)

ترجمہ: اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا تو انھوں نے ہود کو جھٹلایا، سو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ (۲۶۔۱۳۹)

علم کی ابتدا محسوس سے

علامہ اقبال نے اسلامی ثقافت کی بحث میں یہاں یونانی علوم کے مسلمانوں پر اثرات کو موضوع بنایا ہے، علامہ کے نزدیک قرآن مجید کی روح حقیقت میں فلسفہ یونان کے خلاف ہے، ابتدا میں مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں ہوا اور انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فلسفہ یونان کی روشنی میں کیا۔ لیکن جلد ہی مسلمانوں کی یہ کوشش ناکام ہوئی اور پھر اس کے بعد اسلامی تہذیب کی حقیقی روح برسرِ کار آئی اور اس منہاج کی ابتدا ہوئی جس کا تعلق مشاہدے اور

Marfat.com

تجربے سے ہے۔ علامہ کے نزدیک تجربی منہاج کے حقیقی بانی مسلمان ہیں اس سلسلے میں رابرٹ بریفالٹ کی کتاب تشکیل انسانیت سے ایک طویل اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اور تجربی منہاج یونانی حکمت سے مفاہمت کی بناپر نہیں بل کہ تصادم اور کشاکش کی بناپر ظہور پذیر ہوا۔ علامہ اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے مزید دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

''لہٰذا پہلی بات جو اس بحث میں کہ اسلامی ثقافت کی حقیقی روح کیا ہے ہمارے سامنے آتی ہے، محسوس اور متناہی پر اس کی وہ توجہ ہے جو اس نے علم و حکمت کی جستجو میں کی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں منہاج تجربی وضع ہوا تو حکمت یونان سے کسی مفاہمت کی بنا پر نہیں، بل کہ اس سے مسلسل ذہنی تصادم اور کشاکش کے بعد۔ بریفولٹ کہتا ہے کہ یونانیوں کو درحقیقت نظریوں سے دل چسپی تھی، حقائق سے نہیں تھی، لہٰذا ان کے افکار ایک طرح کی روک تھے جس نے مسلمانوں کو کوئی دو سو برس تک سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ قرآن کی حقیقی روح کیا ہے۔ ان افکار نے تو عربوں کے عملی ملکات بھی دبائے رکھے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں اس غلط فہمی کا ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیں کہ یہ یونانی فلسفہ تھا جس نے اسلامی تہذیب و ثقافت کی ہیت اور وضع قطع متعین کی۔ اس سلسلے میں ہمارے جو دلائل ہیں ان کا ایک حصہ ہم پہلے پیش کر آئے ہیں، دوسرا اب پیش کر رہے ہیں۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۰۲۔۲۰۳)

علم کی ابتدا محسوس سے ہوتی ہے، کیوں کہ جب تک ہمارا ذہن اسے اپنی گرفت اور قابو میں نہیں لے آتا، فکرِ انسانی میں یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ اس سے آگے بڑھ سکے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۲۰۲) حوالہ آیت سورہ الرحمان :

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (۳۳)ۚ

Marfat.com

ترجمہ: اے گروہ جن وانس اگر تمھیں قدرت ہو کہ آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ اور زور کے سوا تم نکل سکنے کے ہی نہیں۔(۵۵۔۳۳)

تفسیر: یعنی اللہ کی حکومت سے کوئی چاہے کہ نکل بھاگے تو بدوں قوت و غلبہ کے کیسے کیسے بھاگ سکتا ہے۔ کیا خدا سے زیادہ کوئی قوی اور زور آور ہے پھر نکل کر جائے گا کہاں، دوسری قلم رو کون سی ہے جہاں پناہ لے گا۔ نیز دنیا کی معمولی حکومتیں بدون سند اور پروانہ راہداری کے اپنی قلمرو سے نکلنے نہیں دیتیں تو اللہ بدون سند کیوں نکلنے دے گا۔(تفسیر عثمانی، ص ۷۰۷)

مسئلہ زمان کی بحث

"پھر اگر زمانہ بھی ایک سلسلہ ہے باہم دگر منفرد انات کا تو اس میں کوئی معنی پیدا نہیں ہوں گے، نہ ہی وہ کائنات پر اثر انداز ہو سکے گا۔ مگر یہ کائنات کا وہ تصور ہے جس سے ذہنِ انسانی حیران و سرگرداں رہ جاتا ہے۔ ہم اس خیال سے کہ ہمارے مرئی زمان و مکاں کی ایک حد بھی ہے مبہوت رہ جاتے ہیں ہم سمجھتے ہیں منتہا ہی گویا ایک سد ہے جس نے ذہنِ انسانی کی حرکت کو روک رکھا ہے اور جس کی حدود سے آگے نکلنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہمارا ذہن زمان متسلسل اور مکانی خلائیت محض پر غالب آجائے قرآن مجید کا بھی ارشاد ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۲۰۳)

حوالہ آیت سورہ والنجم آیت ۴۲ :

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (٤٢)

ترجمہ: اور یہ کہ تمھارا پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے۔(۵۳۔۴۲)

"اس آیت پر غور کیا جائے تو قرآن پاک کے ایک نہایت گہرے تصور کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یوں ہمیں بہ وضاحت سمجھا دیا گیا ہے کہ اگر ہمیں اپنے منتہا کی تلاش ہے تو ہمارا ستاروں کی طرف بڑھنا عبث ہو گا ہم اس کا تلاش کرنا چاہتے ہیں تو لامتناہی حیات کونی اور روحیت میں تلاش

Marfat.com

کریں۔(تشکیلِ جدید، ص ۲۰۳)

اسلامی فکر اور لامتناہی سے دل چسپی

''یونانیوں کی نظر ہمیشہ تناسب پر رہی لامتناہی سے انھیں دل چسپی نہیں تھی۔ ان کا ذہن ہمیشہ وجود متناہی کی قدرتی شکل و ہیت اور اس کے قطعی اور معین حدود میں الجھا رہا۔ اس کے برعکس اسلامی تہذیب و ثقافت کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فکر محض ہو یا نفسیات مذہب، یعنی تصوف کے مدارج عالیہ، دونوں کا نصب العین یہ رہا کہ لامتناہی سے لطف اندوز ہوں۔''
(تشکیلِ جدید، ص ۲۰۳)

اس کے بعد علامہ نے ایک بار پھر زمان و مکاں کی بحث چھیڑی ہے اور مختلف مسلمان فلاسفہ کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ اس میں علامہ عراقی اور خواجہ محمد پارسا کا ذکر بھی کرتے ہیں اور ان کے حوالے سے کچھ قرآنی آیات پیش کی ہیں۔

''عراقی کے نزدیک مکان کی موجودگی تو ذاتِ الٰہیہ کی نسبت سے بھی ناگزیر ہے۔ چناں چہ وہ اس کا استدلال آیات ذیل سے کرتا ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۰۷)

حوالہ آیت۔ ا۔ سورہ المجادلہ آیت۔ ۸ :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ز اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ط حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ج يَصْلَوْنَهَا ج فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۸)

ترجمہ : کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر جس کام سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے اور یہ تو گناہ اور ظلم اور رسولِ خدا کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو جس کلمے سے خدا نے تم کو دعا نہیں دی اسی سے تمھیں دُعا دیتے

Marfat.com

ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اگر واقعی پیغمبر ہیں تو جو کچھ کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ اے پیغمبران کے لیے دوزخ ہی کی سزا کافی ہے۔ یہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔ (۵۸۔۸)

حوالہ ۲۔ سورہ یونس۔ آیت نمبر ۶۱ :

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (٦١)

ترجمہ : اے محمد صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم آپ خواہ کسی حال میں ہوں اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن کریم کی سورت یا آیت پڑھتے ہوں اور اسی طرح اور لوگ بھی جو نیکیاں اور برائیاں کرتے ہیں ہمیں تمھاری سب حالتوں اور تمھاری تلاوت اور تمھارے سب کاموں کی خبر رہتی ہے۔ جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور قرآن کریم کی تکذیب میں لگتے ہو اور بندوں کے اعمال میں سے آپ کے رب کے علم سے کوئی چیز بھی ذرہ برابر غائب نہیں اور نہ کوئی چیز اس مقدار مذکور سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی چیز اور بھاری مگر سب بوجہ احاطہ علم الٰہی کے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (۱۰۔۶۱)

حوالہ ۳۔ سورہ ق آیت نمبر ۱۶ :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ صلے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (١٦)

ترجمہ: اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (۵۰۔۱۶)

Marfat.com

تفسیر عثمانی: یعنی اس کے ہر قول وفعل سے ہم خبر دار ہیں حتیٰ کہ وساوس وخطرات اس کے دل میں گزرتے ہیں ان کا بھی ہم کو علم ہے۔

گردن کی رگ مراد ہے جسے شہ رگ کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے، مطلب یہ ہوا کہ ہم (باعتبار علم کے) اس روح اور نفس سے بھی نزدیک ہیں۔ یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس سے بھی زیادہ ہے نیز علت ومنشا کو معلول اور ناشئے کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے جو معلول اور ناشئے کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۶۸۹)

''یاد رکھنا چاہیے، قرب واتصال اور باہمدگر افتراق وہ الفاظ ہیں جن کا اطلاق جس طرح مادی اجسام پر کیا جاتا ہے ذات الٰہیہ پر نہیں کیا جا سکتا، حیات الٰہیہ کا تعلق ساری کائنات سے ہے۔ بعینہ جیسے روح کا بدن سے روح بدن کے اندر ہوتی ہے نہ باہر نہ اس سے متصل نی منفصل بااین ہمہ اس کا اتصال بدن کے ہر ذرے سے قائم ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۰۸)

تاریخِ ایام اللہ

''بہر حال اسلامی فکر نے جو راستہ اختیار کیا اس کی انتہا جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھیے کائنات کے حرکی تصور پر ہوئی اور پھر جسے ابن مسکویہ کے اس نظریئے سے کہ زندگی عبارت ہے ایک ارتقائی حرکت سے، مزید تقویت پہنچتی ہے علیٰ ہذا ابن خلدون کے نظریہ تاریخ سے۔ قرآن پاک نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۱۲) حوالہ آیت۔ سورہ ابراہیم آیت ۵)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۵)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں

Marfat.com

کے لیے جو صابر و شاکر ہیں خدا کی نشانیاں ہیں۔ (۵:۱۴)

تفسیر: ایام کا لفظ عربی زبان میں اصطلاحاً یادگار تاریخی واقعات کے لیے بولا جاتا ہے، ایام اللہ سے مراد تاریخ انسانی کے وہ ابواب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی قوموں اور بڑی شخصیتوں کو ان کے اعمال کے لحاظ سے جزا یا سزا دی۔ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۱۔۴۷۲)

اس حوالہ سے سے ایم سعید شیخ نے متعدد آیات کا حوالہ دیا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ص وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ (٦)

ترجمہ: کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر دیا۔ جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیئے تھے کہ تمھارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں جو ان کے (مکانوں کے) کے نیچے بہہ رہی تھیں پھر ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کر دیں۔ (٦:٦)

اقوام و امم کا محاسبہ

''اس (قرآن مجید) کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام و امم کا محاسبہ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ انھیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا ہے، علاوہ ازیں قارئین کی توجہ دلائی کہ نوع انسانی کے گزشتہ اور موجودہ احوال و شئون کے مطالعے میں غور و فکر سے کام لیں۔''

(تشکیلِ جدید، ص ۲۱۲)

اس حوالے سے علامہ نے قرآن پاک کی تین سورتوں سے آیات پیش کی ہیں۔

Marfat.com

۱۔ سورہ براہیم۔آیت ۵

۲۔سورہ الاعراف۔آیت ۱۸۱۔۱۸۲

۳۔سورہ آل عمران۔۱۳۷۔(۱۳۶ درست نہیں)

۴۔سورہ آل عمران۔۱۴۰ (۱۳۹ درست نہیں)

۵۔سورہ الاعراف۔۳۴

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۵)

ترجمہ: بالترتیب اور ہم نے موسیٰؑ کو نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ہیں خدا کی نشانیاں ہیں۔ (۱۴۔۵)

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۱۸۱) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸۲)

۲۔ اور ہماری مخلوقات میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم بھی ہو گا۔

(۷۔۱۸۱۔۱۸۲)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (۱۳۷)

۳۔ تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (۳۔۱۳۷)

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ

Marfat.com

الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (۱۴۰)

۴۔ اگر تمھیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ وہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۔۱۴۰)

وَ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (۳۴)

۵۔ اور ہر ایک فرقے کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے، جب وہ آ جاتا ہے تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔ (۷۔۳۴)

"آخری آیت پر نظر رکھیے تو اس کی حیثیت ایک مخصوص تاریخی تعمیم کی ہے جس میں گویا بڑے حکیمانہ انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ امم انسانی کا مطالعہ ہمیں بطور اجسام نامیہ علمی نہج پر کرنا چاہیے۔ لہذا اس سے بڑی غلط فہمی اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک میں کوئی ایسا خیال موجود نہیں جو فلسفہ تاریخ کا سرچشمہ بن سکے۔ حالاں کہ بہ نگاہ حقیقت دیکھا جائے تو ابنِ خلدون کا مقدمہ سرتاسر اس روح سے معمور ہے جو قرآن مجید کی بدولت پیدا ہوئی۔ وہ اقوام وامم کے عادات وخصائل پر حکم لگاتا ہے تو اس میں زیادہ تر قرآن پاک ہی سے استفادہ کرتا ہے۔ چناں چہ اس نے بہ حیثیت ایک قوم عربوں کی سیرت وکردار کی بحث میں جو کچھ لکھا ہے قرآن پاک ہی کی اس آیت کی تفصیل مزید ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۲۱۳)

حوالہ آیت سورہ توبہ نمبر ۹۷۔۹۸:

اقوام وامم کی عادات وخصائل

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

Marfat.com

مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ (۹۷) وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (۹۸)

ترجمہ: دیہاتی لوگ سخت کافر اور منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت) خدا نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ان سے واقف (ہی) نہ ہوں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمھارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں انھی پر بُری مصیبت (واقع) ہو اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۹:۹۷،۹۸)

تفسیر: یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے۔ اب کچھ حال دیہاتی بدووں کا ذکر کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں، کفار، منافقین اور مخلص مسلمان، چوں کہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تندخو اور سخت مزاج ہوتے ہیں اور مجالس علم وحکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب وشائستگی کا اثر اور علم وعرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں اس لیے ان کا کفر ونفاق شہری منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہلِ علم وصلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت اور تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کریں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کیے۔ علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔

اعراب منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جنھیں اگر کسی وقت خدا کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی کراہت سے خرچ کرتے ہیں گویا کوئی جرمانہ اور تاوان اُدا کرتا ہو۔

تاریخی تنقید کا اصول

''واقعات کی صحت کا انحصار آخر الامر اس بات پر ہے کہ ان کے راوی کون

Marfat.com

ہیں تاریخ تنقید کا اصول اولین یہ ہوگا کہ ہم ان کی سیرت اور کردار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرسکیں۔ بغیر اس کے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ انھوں نے جس امر کی شہادت دی ٹھیک تھا یا غلط۔ لہٰذا قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۲۱۳)

حوالہ آیت سورہ الحجرات آیت۔۶ :

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ (٦)

ترجمہ: مومنو اگر کوئی بدکردار تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچادو، پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔ (۴۹۔۶)

تفسیر: اکثر نزاعات اور مناقشات کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لیے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمے کو بند کرنے کی تعلیم دی، یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو، فرض کیجیے ایک بے راہ رو اور تکلیف دہ آدمی نے اپنے دل کے کسی خیال اور تجربے سے بے قابو ہوکر کسی قوم کی شکایت کی، تم محض اس کے بیان پر اعتماد کرکے اس قوم پر چڑھ دوڑے۔ بعدہ ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا تو خیال کرو اس وقت کس قدر پچھتانا پڑے گا اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہوگی اور اس کا نتیجہ جماعت کے حق میں کیسا خراب ہوگا۔ (تفسیر عثانی۔ص ۶۸۵)

"آگے چل کر اسی اصول سے جو اس آیت میں پیش کیا گیا اور جس کا اطلاق جب راویانِ حدیث پر ہوا تو رفتہ رفتہ تاریخی تنقید کے قوانین مرتب ہوتے چلے گئے۔ عالمِ اسلام میں جس تاریخ کی پرورش جس طرح ہوئی وہ بجائے خود ایک بڑا دلچسپ موضوع ہے۔ یہ قرآن پاک کا بار بار حقائق پر زور دینا اور اس کے ساتھ ساتھ پھر اس امر کی ضرورت کہ آں حضرت کے

Marfat.com

ارشادات صحت کے ساتھ متعین ہوں، علیٰ ہذا مسلمانوں کی یہ آرزو کہ اس طرح ان کی آئندہ نسلوں کو اکتسابِ فیض کے دوامی سرچشمے مل جائیں، یہ عوامل تھے جن کے زیر اثر ابن اسحاق، طبری اور مسعودی ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ (تشکیلِ جدید، ص ۲۱۴)

وحدت مبداءحیات

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِ وَ الْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (۱)

ترجمہ: لوگو اپنے پرودگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس نے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور قطع مودت ارحام سے بچو، کچھ شک نہیں خدا دیکھ رہا ہے۔ (۱:۴)

یہ ہے قرآن مجید کا ارشاد۔ مگر پھر یہ امر کہ زندگی کا ادراک بہ طور وحدت نامیہ کے ہو جائے، کچھ دیر ہی کے بعد ہوتا ہے۔ یوں بھی اس تصور کی نشو نما اس امر پر موقوف ہے کہ اقوام و امم احوال عالم کی اصل رو میں داخل ہو جائیں۔ اسلامی فتوحات کی رفتار چوں کہ بڑی تیز تھی اس لیے مسلمانوں کو یہ موقع جلد ہی میسر آ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں اسلام سے پہلے عیسائیت نے بھی انسان کو مساوات کا سبق دیا، لیکن یہ امر کہ نوع انسانی ایک جسم نامی ہے مسیحی روما کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ (تشکیلِ جدید، ۲۱۵)

ابن خلدون اور تصور زمان

''اگر چہ ابن خلدون کو مابعد الطبیعات سے مطلق دل چسپی نہیں تھی، بل کہ وہ

Marfat.com

درحقیقت اس کا مخالف تھا، بایں ہمہ اس نے زمانے کا تصور جس رنگ میں کیا تھا، ہم اس کے پیش نظر اس کا شمار برگساں کے پیش رووں میں کریں گے اسلامی تہذیب وثقافت کی تاریخ میں اس تصور کے ذہنی سوابق کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ، اختلاف لیل و نہار، کو حقیقت مطلقہ کی جس، ہر لحظہ ایک نئی شان ہے، ایک آیت تصور کرنا چاہیے۔" (تشکیل جدید۔ص ۲۱۷)

حوالہ آیت سورہ الرحمان۔آیت ۲۹ :

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ (۲۹) ۚ

ترجمہ: آسمان وزمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔(۵۵۔۲۹)

◆◆◆

Marfat.com

چھٹا مقالہ

الاجتہاد فی الاسلام

Iple of Movement in Structure of Islam the Princ

دراصل اقبالؔ کے اس مقالے کے انگریزی عنوان کا لفظی ترجمہ اسلام کی ترکیب میں حرکت کا اصول ہے، یعنی اجتہاد کے روایتی فقہی معنوں سے ہٹ کر اس کی تعبیر ایک اصولِ حرکت کے طور پر کر رہے ہیں، مقالہ کی ابتدا بھی اسی نقطہ نگاہ سے کرتے ہیں کہ تحریکِ اسلام نے کائنات کو متحرک قرار دیا اور تاریخ انسانی کے ایسے مرحلے پر نمودار ہوئی جب رنگ وخون کے زمین پیوستگی کے رشتے توڑ کر اتحاد انسانی کے لیے اساس فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ ایک ایسے قریب المرگ تمدن، جس کی بنا بادشاہت پر قائم تھی کی جگہ لینے کے لیے دنیا کو ایک نئ تہذیب کی حاجت تھی۔

اقبالؔ واضح کرتے ہیں کہ اہلِ سنت والجماعت نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا مگر جب سے فقہ کے چار مکاتبِ فکر قائم ہوئے ہیں انھوں نے عملاً اس کی کبھی اجازت بھی نہیں دی، کیوں کہ انھوں نے اجتہاد پر ایسی کڑی شرطیں لگادی ہیں جن کا پورا کرنا محال ہے اقبالؔ کے نزدیک سیاسی زوال اور انحطاط کے دور میں ایسا کرنا اسلام کی ہیت اجتماعیہ کو محفوظ کرنے کے لیے ضروری تھا، لیکن وہ قدامت پسند علما کے رویے پر احتجاج بھی کرتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک قوموں تقدیر اور زندگی کا دارومدار اس پر نہیں کہ وہ کہاں تک منظم ہیں بل کہ اس پر کہ افراد کی ذاتی خوبیاں کیا ہیں، گزشتہ تاریخ کے بے جا احترام کے بجائے ایسے افراد کی پرورش ہونی چاہیے جو اپنی ذات اور خودی میں ڈوب جائیں، زیادہ تنظیم

Marfat.com

کا رجحان اسلام کی روح کے منافی ہے، اسلام کی نشاۃ الثانیہ ضروری ہے۔بدقسمتی سے قدامت پسند تنقیدی رویہ اختیار کرنے پر خفا ہوتے ہیں۔لیکن ہمیں چاہیے کہ اسلاف کی راہنمائی میں اپنے مسائل آپ حل کریں۔

اقبالؔ اجتہاد کے ذریعے فقہ اسلامی کی تشکیل نو پر اس لیے زور دے رہے ہیں کہ ایک طرف مغرب اور دوسری طرف اشتراکیت کی یلغار کا خطرہ تھا، ان کے نزدیک اجتہاد کا حق بہ حیثیت افراد علما کو نہیں دینا چاہیے بل کہ مجالس آئین ساز کو سونپنا چاہیے۔دور حاضر میں فقہ اسلامی کے مآخذ اجماع کا اسی صورت میں احیا ممکن ہے۔

اس مقالے میں اقبالؔ اسلامی ریاست سے متعلق اپنا تصور بھی پیش کرتے ہیں ان کے نزدیک جمہوری طرزِ حکومت کا اصول اسلام کی روح کے عین مطابق ہے وہ ترکوں کے اس اجتہاد کو درست سمجھتے ہیں کہ خلیفہ یا امام کا منصب فرد واحد کے بجائے ایک جماعت یا منتخب شدہ مجلس کے ذمہ بھی کیا جا سکتا ہے، خلافت یا امامت کا تصور تب قابل عمل تھا جب اسلامی سلطنت ایک تھی مختلف ریاستوں کی صورت میں نا قابلِ عمل ہے بل کہ ان کے اتحاد میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔اقبالؔ کے نزدیک فقہ اسلامی کے ماخذوں میں اجماع کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اموی اور عباسی خلیفہ اجتہاد کا حق کسی مجلس کے بجائے افراد کے پاس رکھنے میں ہی اپنا فائدہ دیکھتے تھے کہ ان پر دباؤ ڈالا جا سکے ان کے نزدیک موجودہ زمانے میں یہ حق مجلسِ قانون ساز کی صورت میں ہونا چاہیے البتہ وہ موجودہ طرز کی مجلس قانون ساز کی اہلیت کے پیشِ نظر اس بات کی گنجائش ہونی چاہیے کہ دینی اُمور کے لیے علما کی ایک الگ مجلس قائم ہو جو قانون ساز مجلس کی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔علما اس مجلس کی راہ نمائی کریں اور شریعت کی غلط تعبیرات کا سد باب کریں۔(ملخص از۔زندہ رود۔جسٹس جاوید اقبال)

زندگی کا مبداء اصلی روحانی ہے

”اس نے (اسلام نے) رنگ وخون کے رشتے ٹھکرا دیے اور اپنی توجہ صرف فرد کی ذاتی قدر و قیمت پر رکھی۔رنگ وخون کا رشتہ زمین پیوستگی کا رشتہ ہے

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ اتحادِ انسانی کے لیے کسی خالص نفسیاتی اساس کی جستجو جب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ نوعِ انسانی ایک ہے اور اس کا مبدا اصلاً روحانی۔" (تشکیلِ جدید، ص ۲۲۳)

۱۔ اتحادِ انسانی کے حوالے سے تشکیل میں سورہ البقرہ کی آیت ۲۱۳ کا حوالہ حاشیے میں دیا گیا ہے :

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۱۳)

ترجمہ: (پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا فیصلہ کر دے اور اس میں اختلاف بھی ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور اختلاف انھوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر میں حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (۲:۲۱۳)

۲۔ جب کہ انگریزی متن کے حاشیے میں روحانی حیثیت کے حوالے سے آیات دی گئی ہیں۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ

Marfat.com

سٰجِدِیۡنَ(۲۹)

ترجمہ: جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اوراس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تواس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔

(۲۹:۱۵)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ (۹)

۲۔ پھر اس کو درست کیا پھر اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) کم شکر کرتے ہو۔ (۹:۳۲)

فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ (۷۲)

۳۔ جب اس کو کرلوں اوراس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ (۷۲:۳۸)

توحید کے تقاضے

"یہ بھی ایک طبعی امر تھا کہ اسلام کا ظہور ایک ایسی سادہ مزاج قوم میں ہوتا جو قدیم تہذیبوں کے اثرات سے یک سر پاک اور ایک ایسی سرزمین میں آباد تھی جہاں تین براعظم آپس میں مل جاتے ہیں اس نئی تہذیب نے اتحاد عالم کی بنا توحید پر رکھی۔ لہٰذا بطور اساس ریاست اسلام ہی وہ عملی ذریعہ ہے جس سے ہم اس مقصد میں کہ توحید کا یہ اصول ہماری حیات عقلی اور جذبات میں ایک زندہ عنصر کی حیثیت حاصل کرلے، کامیاب ہوسکتے ہیں۔ اس اصول کا تقاضا ہے کہ ہم صرف اللہ کی اطاعت کریں، نہ کہ ملوک و سلاطین کی۔ پھر چوں کہ ذاتِ الٰہیہ ہی فی الحقیقت روحانی اساس ہے زندگی کی، لہٰذا اللہ کی اطاعت فطرت صحیحہ کی اطاعت ہے اسلام کے نزدیک حیات کی یہ روحانی اساس ایک قائم و دائم وجود ہے جسے ہم اختلاف اور تغیر میں

Marfat.com

جلوہ گر دیکھتے ہیں۔'' (تشکیل جدید۔ص ۲۲۶،۲۲۷)

اس عبارت کے حوالے سے تشکیلِ جدید کے حاشیے میں درج ذیل آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۹۲)

ترجمہ: اور خدا کی فرماں برداری اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ پیغمبرؐ کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔ (۹۲:۵) (تشکیل میں حوالہ ۹۳:۵ ہے جو درست نہیں۔)

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا (۲۳)

۲۔ اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے اَدب سے بات کرنا۔ (۲۳:۱۷)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ق ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۰)

۳۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے راستے پر) سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا (اختیار کیے رہو)۔ خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۰:۳۰)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (۲) ؕ

Marfat.com

۴۔ خدا (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت لائق نہیں زندہ ہمیشہ رہنے والا۔ (۲:۳)

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (۲۹)

۵۔ آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ (۲۹:۵۵)

اجتہاد کی قرآنی بنیاد

"لغوی اعتبار سے تو اجتہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا لیکن فقہ اسلامی کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے وہ کوشش جو کسی قانونی مسئلے میں آزادانہ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے۔ اور جس کی بنا جیسا کہ میں سمجھتا ہوں قرآن کی اس آیت۔۔۔ پر ہے۔ (تشکیلِ جدید، ص ۲۲۸)

حوالہ آیت۔ سورہ العنکبوت۔ آیہ ۶۹ :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۶۹)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور خدا تو نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔ (۶۹:۲۹)

تفسیر: یعنی جو اپنے علم کے مطابق نیکیاں کرتا ہے تو ہم اس کو ان چیزوں کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے جو اس کے علم میں نہیں یا یہ کہ ہم خوشی و حلاوت طبع اس کو نصیب فرمائیں گے یا یہ کہ ہم اپنی اطاعت کی اس کو مزید توفیق عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کی قول و فعل توفیق و عصمت کے ذریعے مدد فرمائے۔ (تفسیر ابنِ عباس، جلد سوم، ص ۱۱)

نسلی امتیازات محض سہولت کے لیے

"میں تو کچھ یوں ہی دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ شاید مسلمانوں

Marfat.com

کو بتدریج سمجھا رہی ہے کہ اسلام نہ تو وطنیت ہے، نہ شہنشاہیت، بل کہ ایک انجمنِ اقوام ہے، جس نے ہمارے خود پیدا کردہ حدود اور نسلی امتیازات کو تسلیم کیا ہے تو محض سہولتِ تعارف کے لیے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۴۶)

یہاں حاشیے میں قرآن پاک کی سورہ الحجرات کی آیت ۱۳ کا حوالہ دیا گیا ہے :

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱۳)

ترجمہ : لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ (۱۳:۴۹)

مسلمان ایک مثالی اُمت

''اسلام ایسے معاشرے میں تو پرانی تاسیسات پر نظرِ ثانی کا مسئلہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے مصلحین کی ذمہ داریاں بھی ایک بڑی سنگین شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اسلام کی حیثیت لاجغرافی ہے اور اس کا مقصد ہے ایک ایسا نمونہ پیش کرنا جو اتحادِ انسانی کی اس شکل کے لیے جو بالآخر ظہور میں آئے گی مختلف بل کہ یہ کہنا چاہیے باہم گر حریف نسلوں کو اول دولتِ ایمان سے مالا مال کرے اور پھر اس متفرق اور منتشر مجموعے کو ایک ایسی اُمت کی شکل دے جس کا اپنا شعورِ ذات ہو۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۵۸)

اس عبارت کے حاشیے میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ دی گئی ہے،
(تشکیلِ جدید میں حوالہ نمبر ۱۴۲ لکھا ہے جب کہ یہ ۱۴۳ ہے)

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَـٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا ٱلْقِبْلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ ٱلرَّسُولَ مِمَّن

Marfat.com

يَنقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (١٤٣)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) گراں معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا اور یہ بات (تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی (وہ گراں نہیں سمجھتے) اور خدا ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھودے۔ خدا تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحبِ رحمت ہے۔ (۱۴۳:۲)

اسلام کے عائلی قوانین

''رہا ترکی شاعر کا مطالبہ (مساوات مرد وزن کے پیشِ نظر وراثت میں برابری کا) سومیں سمجھتا ہوں وہ اسلام کے قانون عائلہ سے بہت زیادہ واقف نہیں۔ وہ نہیں سمجھتا کہ قرآن پاک نے وراثت کے بارے میں جو قاعدہ نافذ کیا ہے اس کی معاشی قدر و قیمت کیا ہے شریعتِ اسلامی میں نکاح کی حیثیت ایک عقد اجتماعی کی ہے۔'' (تشکیلِ جدید، ص ۲۶۱)

ایم سعید شیخ نے یہاں حاشیے میں سورہ النساء کی آیت ۲۱ کا حوالہ دیا ہے:

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (٢١)

ترجمہ: اور تم دیا ہوا مال کیوں واپس لے سکتے ہو جب کہ تم صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہے۔ (۲۱:۴)

مردوں کو عورتوں پر فضیلت

''اگر قانوناً ان کے حصوں میں مساوات قائم نہیں کی گئی تو اس سے یہ نہیں

Marfat.com

سمجھنا چاہیے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ یہ خیال قرآنی تعلیم کے منافی ہے۔" (تشکیلِ جدید، ص ۲۶۲)

اس موقع پر سورہ البقرہ کی آیت [۱] ۲۲۸ کا حوالہ دیا گیا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۲۸)

ترجمہ: اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں اور اگر وہ خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اُسے چھپائیں۔ اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو (اس) مدت میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ (۲۲۸:۲)

خیرِ اُمت

"یقین کیجیے یورپ سے بڑھ کر آج انسان کی اخلاقی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ کوئی نہیں۔ برعکس اس کے مسلمانوں کے نزدیک ان بنیادی تصورات کی اساس چوں کہ وحی و تنزیل پر ہے لہٰذا وہ اپنی ظاہری خارجیت کو ایک اندرونی حقیقت میں بدل دیتی ہے ہمارے لیے زندگی کی روحانی اساس ایمان و یقین کا معاملہ ہے جس کی خاطر ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان بھی بہ رضا و رغبت اپنی جان تک قربان کر دے گا۔" (تشکیلِ جدید، ص ۲۷۶)

◆◆◆

Marfat.com

ساتواں خطبہ

کیا مذہب کا امکان ہے؟

Is Religion Possible?

اس خطبہ میں علامہ اقبال نے مذہب اور سائنس کی جستجوؤں کا مقابلہ کیا ہے، مذہبی زندگی کے تین ادوار ہیں۔ ایمان، فکر اور معرفت ایمان کا دور، احکام کے بے چون و چرا اطاعت کا دور ہے، اس کے بعد فکر کا دور آتا ہے جب انسان عقلاً سمجھنا چاہتا ہے کہ احکام کا سرچشمہ کیا ہے۔ اس دور میں مذہب کو ایسی مابعد الطبیعیات کی تلاش ہوتی ہے جو اس کے لیے اساس کا کام دے، سب سے آخر میں معرفت کا دور ہے۔ جب انسان کی آرزو ہوتی ہے کہ حقیقت مطلقہ سے براہ راست اتصال قائم کر سکے۔

سائنس ایک ایسی سمت بڑھ رہی ہے کہ عقلاً بھی الٰہیات کا نظام تشکیل دینا مشکل نہیں رہا۔ لیکن اس کے باوجود مغربی انسان اپنے تصورات کے اعتبار سے خود اپنی ذات سے اور سیاسی اعتبار سے افراد افراد سے متصادم ہیں۔ اس کی بنیاد مادیت ہے جس نے انسان کو مفلوج کر دیا ہے، دوسری طرف مشرقی انسان اپنی اندرونی شیرازہ بندی سے قاصر ہے جس کی وجہ سے وہ تاریخ کی مسلسل حرکت کے ساتھ چلنے سے قاصر ہے، مسلمان وطنیت کا سہارا لے رہے ہیں کہ یوں انھیں قوت اور طاقت کا نیا سہارا مل جائے گا۔ مسلمان بہ حیثیت مجموعی یقین کھو بیٹھا ہے کہ اس کی روحانی زندگی کا احیا دراصل مذہب ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ مذہب سے افکار و خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اسی سے وہ زندگی، قوت اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک پہنچ سکتا ہے۔ ملحدانہ اشتراکیت میں گو ایک نئے مذہب کا جوش و خروش ہے لیکن وہ اس چیز سے برسرِپیکار ہے جو اس کے لیے زندگی اور طاقت کا سرچشمہ بن سکتی تھی۔

Marfat.com

پس دنیائے جدید کی مایوسی اور دل گرفتگی کا مداوا نہ تو تصوف ہے نہ علاقائی وطنیت اور نہ ملحدانہ اشتراکیت۔ عصرِ حاضر کا انسان اگر پھر سے وہ اخلاقی ذمہ داری اُٹھا سکے گا جو سائنس یا علومِ جدیدہ کی ترقی نے اس کے کندھوں پر ڈال رکھی ہے تو صرف مذہب کی بدولت، جب تک انسان کو اپنی ابتدا اور انتہا کی کوئی نئی جھلک نظر نہیں آتی وہ کبھی معاشرے پر غالب نہیں آسکتا جس کی روحانی وحدت اس کی مذہبی اور سیاسی قدروں کے اندرونی تصادم سے پارہ پارہ ہو چکی ہو اور جس میں ہمہ گیر مقابلے اور مسابقت کی دوڑ نے ایک انتہائی غیر انسانی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ (زندہ رود۔ جلد سوم۔ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال)

اس خطبے میں علامہ اقبالؔ نے براہِ راست کسی قرآنی آیت کا حوالہ نہیں دیا اور نہ مترجم نے حاشیے میں کسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔

◆◆◆

Marfat.com

Marfat.com